www.alrisala.org

الرسالہ

Al-Risala

July 2013 • No. 440 • Rs. 15

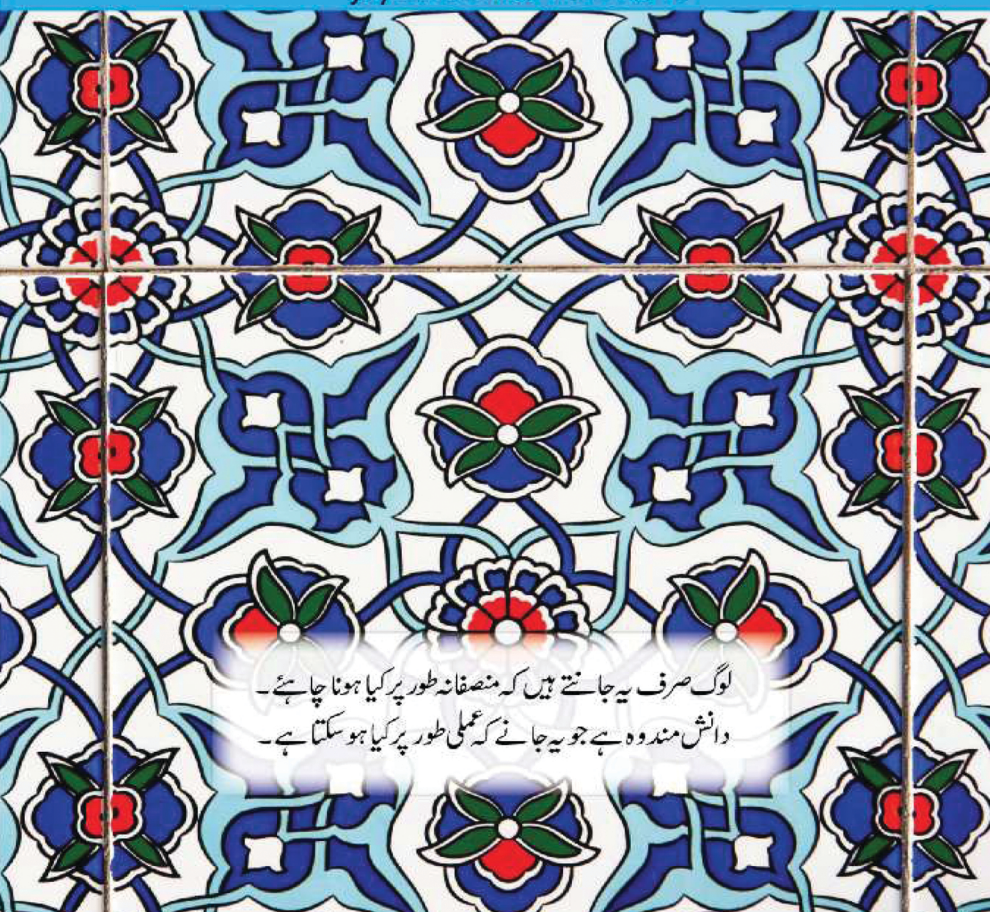

لوگ صرف یہ جانتے ہیں کہ منصفانہ طور پر کیا ہونا چاہئے۔
دانش مند وہ ہے جو یہ جانے کہ عملی طور پر کیا ہو سکتا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الرسالہ

جاری کردہ 1976

جولائی 2013

فہرست

جنت میں داخلہ	2
ایک خدائی بشارت	3
آخرت کا سوال	4
قرآن کی تلاوت	5
سیلف میڈ مین	6
اسپرچول الحاد	7
موت کے بعد	8
مغربی تہذیب، مغربی کلچر	9
تفرّق فی الدین کا ظاہرہ	12
ایک تاریخی قانون	18
زحمت میں رحمت	38
سیاست، تعمیر	39
اسٹریس ایک نعمت	40
سوال و جواب	41
خبر نامہ اسلامی مرکز—223	44

اردو اور انگریزی میں شائع ہونے والا

اسلامی مرکز کا ترجمان

زیر سرپرستی

مولانا وحید الدین خاں

صدر اسلامی مرکز

Al-Risala Monthly

1, Nizamuddin West Market
New Delhi-110 013
Mob. 8588822679, 8588822680
Tel. 011-46521511, 41827083,
Fax: 011-45651771
email: info@goodwordbooks.com
www.goodwordbooks.com

Subscription Rates
Single copy ₹15
One year ₹150
Two years ₹ 300
Three years ₹ 450

By Registered Mail:
One year ₹400
Two years ₹ 800
Three years ₹1200
Abroad by Air Mail. One year $20

Printed and published by
Saniyasnain Khan on behalf of
Al-Markazul Islami, New Delhi.

Printed at Nice Printing Press,
7/10, Parwana Road,
Khureji Khas, Delhi-110 051

جنت میں داخلہ

قرآن کی سورہ البقرہ میں بتایا گیا ہے کہ جنت میں داخلہ کسی نسل یا گروہ سے وابستگی کی بنیاد پر نہیں ہوگا، بلکہ وہ تمام تر شخصی صفات کی بنیاد پر ہوگا۔ اِس سلسلے میں ارشاد ہوا ہے: بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (2:112) یعنی جس نے جھکا دیا اپنا چہرہ اللہ کے لیے اور وہ محسن ہے تو ایسے شخص کے لیے اجر ہے اس کے رب کے پاس، اُن کے لیے نہ کوئی ڈر ہے اور نہ کوئی غم۔

قرآن کی اِس آیت میں کسی انسان کے لیے جنت میں داخلے کی دو شرط بتائی گئی ہے — ایک، اپنا چہرہ اللہ کے لیے جھکا دینا۔ دوسرے، اُس انسان کا محسن ہونا۔ پہلی شرط کا تعلق فارم (form) سے ہے اور دوسری شرط کا تعلق اسپرٹ (spirit) سے۔

اِس کا مطلب یہ ہے کہ جنت اُس انسان کے لیے ہے جو دنیا کی زندگی میں دو شرطوں پر پورا اترے۔ ایک، یہ کہ اس کی زندگی بہ اعتبار فارم اسلام پر مبنی ہو۔ مگر صرف فارم کو اختیار کرنا کافی نہیں، اُسی کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ محسن ہو۔ محسن یا احسان کا مطلب ہے کسی کام کو اچھی طرح کرنا (to do better)۔ کسی انسان کی زندگی میں جب یہ دو شرطیں جمع ہوں تو اس کے بعد ہی وہ جنت میں داخلے کا مستحق قرار پاتا ہے۔

کسی کام کو اچھی طرح کرنا کب ممکن ہوتا ہے، یہ اُس وقت ممکن ہوتا ہے جب کہ انسان اپنے کام کو صرف جسمانی طور پر نہ کرے، بلکہ اس کا دل و دماغ اس کے ساتھ وابستہ ہو جائے۔ وہ اسی کے لیے سوچے، اس کے جذبات اسی کے ساتھ وابستہ ہوں، وہ کام پوری طرح اس کی توجہ کا مرکز بن گیا ہو، اس کی زندگی میں اُس کام کا درجہ مقصد حیات کا ہو، نہ کہ صرف ایک رسم یا ایک رٹین (routine) کا۔ یہی احسان ہے، اور کوئی شخص جنت میں داخلے کے قابل صرف اُس وقت بنتا ہے جب کہ اُس کے دینی عمل میں احسان کی یہ روح شامل ہو جائے۔

ایک خدائی بشارت

قرآن کی سورہ النساء میں ہجرت کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد ہوا ہے: وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً (4:100) یعنی جو شخص اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا، وہ زمین میں بڑے ٹھکانے اور بڑی وسعت پائے گا۔

قرآن کی اِس آیت میں ہجرت سے مراد صرف زمینی ہجرت نہیں ہے، اِس میں وہ تمام واقعات شامل ہیں جو ہجرت سے مشابہت رکھتے ہوں۔ مثلاً ایک آدمی ایک دینی تنظیم (organization) سے وابستہ تھا، پھر ایسے اسباب پیش آئے کہ اس کو اِس تنظیم کو چھوڑ کر دوسری دینی تنظیم سے وابستہ ہونا پڑا، تو ایسا شخص بھی بلاشبہہ مہاجر فی سبیل اللہ ہے۔ اُس کے لیے بھی وہ تمام خدائی بشارتیں مقدر ہیں جو مذکورہ آیت میں وطنی مہاجر کے لیے بتائی گئی ہیں۔ ایسے مہاجر فی سبیل اللہ کو بلاشبہہ اللہ کی مدد حاصل ہوگی، نئے ماحول میں وہ اپنے لیے مزید اضافے کے ساتھ مواقعِ عمل پالے گا۔ اس کو اللہ کی طرف سے یقینی طور پر رزقِ مادی بھی ملے گا اور رزقِ معنوی بھی۔

اِس آیت میں وسعت (کشادگی) کی بشارت بہت بامعنی ہے۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ ایسی ''ہجرت'' کے بعد آدمی کو وسیع تر دائرہ کار ملے گا، اس کے ذہنی افق میں اضافہ ہوگا، نئے تجربات اس کے لیے ذہنی ارتقا (intellectual development) کا ذریعہ بنیں گے، وہ محسوس کرے گا کہ وہ بند ماحول سے نکل کر کھلے ماحول میں آ گیا ہے۔ اُس نے پچھلے ساتھیوں کے مقابلے میں، بہتر ساتھی اور پچھلے حالات کے مقابلے میں، بہتر حالات پالیے ہیں، وہ محدود دنیا سے نکل کر لامحدود دنیا میں آ گیا ہے۔ اس کی ہجرت اس کے لیے ذہنی ترقی کا ذریعہ ثابت ہوگی اور روحانی ترقی کا ذریعہ بھی۔ اُس کے یقین، اس کی معرفت، اس کی بصیرت اور اس کے تعلق باللہ میں ناقابلِ قیاس حد تک اضافہ ہوجائے گا۔ اُس پر یہ قول صادق آئے گا کہ — مالی کبھی ایک پودے کو ایک جگہ سے نکال کر دوسری جگہ نصب کرتا ہے، صرف اِس لیے کہ پودے کو اپنی نشوونما (growth) کے لیے زیادہ بہتر موقع دیا جائے۔

آخرت کا سوال

قرآن میں بتایا گیا ہے کہ قیامت میں جب تمام لوگ حشر کے میدان میں جمع ہوں گے، اُس وقت اُن لوگوں کو کھڑا کیا جائے گا جن لوگوں نے دنیا میں اللہ کے دین کی گواہی دی تھی: یَوْمَ یَقُوْمُ الْأَشْهَادُ (40:51) یہ اللہ کے سامنے پیشی کا دن ہوگا۔ اُس دن لوگوں سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ کس نے اپنے مفروضہ دشمنوں کے خلاف جنگ کی، کس نے ان کے خلاف گن کلچر چلایا، کس نے ان کے خلاف خودکش بم باری کی، کس نے اپنے مفروضہ دشمنوں کے خلاف کتنی نفرت کی۔ اُس دن یہ بھی نہیں پوچھا جائے گا کہ کس نے اسلامی نظام کے نام پر قیادت کے ہنگامے کھڑے کئے، کس نے کتنا زیادہ سوشل ورک کیا، کس نے مسلم ایمپاورمینٹ کا کام کتنا انجام دیا، کس نے ملی محاذ پر سرگرمیاں دکھائیں، کس نے اسلام کے نام پر کتنی زیادہ بلڈنگیں کھڑی کیں، کس نے مسجدوں میں اونچے اونچے مینار بنائے، کس نے تحفظِ اسلام کے نام پر بڑے بڑے جلوس نکالے، وغیرہ۔ قیامت کے دن جب اللہ اور اس کے فرشتے لوگوں کے سامنے ظاہر ہو جائیں گے، اُس وقت صرف ایک ہی سوال ہوگا، وہ یہ کہ وہ کون ہے جس نے قوموں کے سامنے انذار و تبشیر کا کام انجام دیا۔ کس نے خدا کے پیغام کو لوگوں تک پہنچایا، کس نے خدا کے تخلیقی منصوبے سے لوگوں کو آگاہ کیا۔

قرآن میں بتایا گیا ہے کہ امت محمدی کا اصل کام یہ ہے کہ وہ ختم نبوت کے بعد خدا کے پیغام کو سارے انسانوں تک اُسی طرح پہنچائے جس طرح اس سے پہلے نبیوں نے پہنچایا۔ یہی وہ معیار ہے جس پر قیامت کے دن لوگوں کو جانچا جائے گا۔ جو لوگ اس معیار پر پورے اتریں گے، وہ حقیقی معنوں میں اللہ کے یہاں امتِ محمدی قرار پائیں گے۔ اور جو لوگ اس معیار پر پورے نہ اتریں، اُن کے لیے سخت اندیشہ ہے کہ جب قیامت کے دن وہ حشر کے میدان میں حاضر ہوں تو اُن کے بارے میں یہ اعلان کر دیا جائے کہ تم اِس قابل نہیں کہ تم کو امتِ محمدی کا حصہ قرار دیا جائے۔ تم دنیا میں خدا کے بتائے ہوئے راستے سے دور تھے، اب تمھارے لیے یہی مقدر ہے کہ تم ہمیشہ کے لیے خدا کی رحمتوں سے دور رہو، تمھارے لیے خدا کی رحمتوں میں حصہ پانا مقدر نہیں۔

قرآن کی تلاوت

قرآن کی تلاوت صرف ثواب کے لیے نہیں ہے، بلکہ قرآن کی تلاوت کا مقصد یہ ہے کہ قرآن کے ذریعے اللہ کی ہدایت حاصل کی جائے۔ قرآن کتاب ہدایت ہے اور قرآن کے ذریعے ہدایت حاصل کرنا یہی وہ اصل مقصد ہے جس کے لیے قرآن کی تلاوت کرنا چاہیے۔

اِس مقصد کو حاصل کرنے کا طریقہ کیا ہے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ آپ جب قرآن کو پڑھیں تو اس کی ہر آیت کو آپ اپنی ذات پر منطبق (apply) کریں، اس کی ہر آیت کو آپ اپنی ذات کے لیے عملی رہنما بنائیں۔ مثلاً آپ نے قرآن میں یہ آیت پڑھی: لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ (95:4) تو اِس آیت کی روشنی میں آپ خود اپنے وجود پر غور کریں۔ آپ یہ دریافت کریں کہ آپ کا پورا وجود ایک انوکھی شخصیت (unique personality) ہے۔ بال اور ناخن سے لے کر دماغ تک، آپ کے جسم کی ہر چیز انتہائی حد تک بامعنی ہے۔

اپنے وجود کے بارے میں آپ یہ دریافت صرف ایک دن نہ کریں، بلکہ ہر دن کریں۔ جب آپ ایسا کریں گے تو آپ کے اندر وہ چیز پیدا ہوگی جس کو تھرلنگ معرفت (thrilling realization) کہا جا سکتا ہے۔

اِسی طرح جب آپ قرآن میں یہ آیت پڑھیں: اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ (6:14) تو اِس آیت کو آپ اپنے اوپر منطبق کریں۔ آپ یہ سوچیں کہ دعوت الی اللہ کے کام کے لیے سب سے پہلے مجھے یہ کرنا ہے کہ میں اپنے آپ کو داعی کی حیثیت سے تیار کروں، میں اپنی سوچ اور اپنے برتاؤ کے اعتبار سے اپنے اندر داعیانہ شخصیت پیدا کروں اور پھر ہر دن اِس اعتبار سے، اپنا محاسبہ کرتا رہوں — یہی قرآن کی تلاوت کا صحیح طریقہ ہے اور یہی وہ تلاوت ہے جس کو قرآن میں حقِ تلاوت (2:121) کہا گیا ہے۔ یہی وہ تلاوت ہے جس کے ذریعے آدمی کے اندر مطلوب ربانی شخصیت پیدا ہوتی ہے۔

سیلف میڈ مین

انوپم کھیر فلمی دنیا کی ایک ممتاز شخصیت ہیں۔ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کے اندر کبر (arrogance) پایا جاتا ہے۔ نئی دہلی کے انگریزی اخبار ٹائمس آف انڈیا (21 فروری 2013) میں ان کا ایک انٹرویو چھپا ہے۔ اِس انٹرویو میں اُن سے پوچھا گیا کہ آپ کے بارے میں لوگوں کا خیال ہے کہ آپ کے اندر کبر ہے۔ اِس کا جواب دیتے ہوئے انھوں نے کہا — میرے اندر کبر کا مزاج اس لیے ہے کہ میں ایک سیلف میڈ مین ہوں اور میں اپنے آپ کو ایک محفوظ آدمی تصور کرتا ہوں:

My arrogance comes from my being a self-made man and a secure person. (p. 8)

کہا جاتا ہے کہ سیلف میڈ مین کا لفظ پہلی بار بنجامن فرینکلن نے اپنی آٹو بائگریفی میں استعمال کیا تھا۔ بنجامن فرینکلن 1706 میں امریکا کی ایک غریب فیملی میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ موم بتی بنایا کرتا تھا۔ بنجامن فرینکلن نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ اس نے اپنی زندگی میں غیر معمولی جدوجہد کی، یہاں تک کہ 1790 میں جب وہ مرا تو وہ امریکا کی تاریخ میں امریکا کے فاؤنڈنگ فادر کی حیثیت سے لکھا گیا۔ بنجامن فرینکلن اپنی آخری عمر میں مختلف بیماریوں کا شکار ہو گیا۔ اپنی زندگی کے آخری تین سال اس نے اِس طرح گزارے کہ وہ لاس اینجلیز میں اپنے گھر کے اندر رہتا تھا اور پبلک کے سامنے نہیں آتا تھا۔

سیلف میڈ مین کا تصور تمام تر لوگوں کی ناواقفیت پر مبنی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر انسان گاڈ میڈ مین (God-made man) ہوتا ہے، کوئی بھی شخص سیلف میڈ مین نہیں ہوتا۔ اِسی حقیقت کو یاد دلانے کے لیے اللہ تعالیٰ انسان کے اوپر بڑھاپا طاری کرتا ہے۔ قرآن میں ارشاد ہوا ہے کہ — ہم جس کو لمبی عمر دیتے ہیں، اس کو اس کی ابتدائی تخلیق کی طرف لوٹا دیتے ہیں۔ کیا وہ سوچتے نہیں (36:68)۔ ابتدائی تخلیق سے مراد بچپن کی حالت ہے۔ انسان بچپن کے زمانے میں عاجز ہوتا ہے اور بڑھاپے کے زمانے میں بھی عاجز۔ عجز کا یہ دوطرفہ تجربہ انسان کو کبر سے بچانے کے لیے کافی ہے بشرطیکہ وہ سوچے۔

اسپریچول الحاد

نئی دہلی کے انگریزی اخبار ٹائمس آف انڈیا کے شمارہ 25 اپریل 2013 کی ایک رپورٹ کے مطابق، امریکا میں ایسے لوگوں کی تعداد بڑھ رہی ہے جو اپنے آپ کو کرسچن نہیں کہتے، بلکہ وہ اپنے آپ کو نان بلیور کہنا پسند کرتے ہیں:

15 percent Americans now identify themselves as non-believers.

تاہم یہ لوگ اپنے آپ کو ملحد (atheist) کہنا پسند نہیں کرتے، بلکہ وہ اپنے کیس کو بتانے کے لیے اپنے لیے اسپریچول ملحد (spiritual atheist) کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔

یہ صرف امریکا کی بات نہیں ہے، بلکہ جدید تعلیم یافتہ لوگوں میں ایسے افراد کثرت سے پائے جاتے ہیں جو عملاً مذہب کو چھوڑ چکے ہیں، لیکن اس کے باوجود وہ اسپریچولٹی (spirituality) کی تلاش میں رہتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ مذہب کے دائرے سے باہر انھیں کوئی ایسی چیز مل جائے جو اُن کو روحانی سکون دے سکے۔

ایسا کیوں ہے۔ اِس کا سبب یہ ہے کہ انسان اپنی فطرت کے اعتبار سے ایک روحانیت پسند مخلوق ہے۔ مذہب کے نام سے وہ صرف اُس کلچر کو جانتا ہے جو آج مذہبی گروہوں کے درمیان پایا جاتا ہے۔ یہ کلچر اس کو اپیل نہیں کرتا، اِس لیے وہ اپنی فطرت کی تسکین کے لیے اسپریچولٹی کی تلاش میں رہتا ہے۔

انسان فطری طور پر یہ چاہتا ہے کہ وہ اپنے خالق (creator) کو پائے اور اپنے آپ کو پوری طرح اس کے حوالے کردے۔ مذہب اپنی حقیقت کے اعتبار سے، اِسی خالق کا تعارف ہے۔ مگر موجودہ زمانے کے اہلِ مذہب اپنے زوال کی بنا پر، مذہب کی غلط نمائندگی کررہے ہیں۔ ضرورت ہے کہ مذہب کی اصل تصویر کو لوگوں کے سامنے بے آمیز شکل میں پیش کیا جائے۔ اگر ایسا کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اسپریچولٹی کے نام سے انسان جس چیز کی تلاش میں تھا، وہ دراصل خود خدا اور مذہب تھا، نہ کہ کوئی اور چیز۔

موت کے بعد

انڈیا کے ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ مسلمان تعلیم کے بعد لندن چلے گئے۔ اب وہ مستقل طور پر لندن میں مقیم ہیں، انھوں نے برٹش شہریت لے لی ہے۔ اپنے سوچ کے اعتبار سے وہ الٹرا سیکولر (ultra-secular) ہیں۔ وہ اسلام یا کسی مذہب کو نہیں مانتے اور بالکل آزادانہ قسم کی زندگی گزارتے ہیں۔

اب وہ بڑھاپے کی عمر کو پہنچ گئے ہیں۔ ان کی صحت بہت زیادہ خراب ہو چکی ہے۔ لوگوں کو مرتے ہوئے دیکھ کر وہ سوچتے ہیں کہ میں بھی اِسی طرح مرنے والا ہوں۔ وہ جاننا چاہتے ہیں کہ موت کے بعد انسان کے ساتھ کیا پیش آنے والا ہے۔ ایک صاحب کا بیان ہے کہ وہ لندن میں اُن سے ملے۔ ملاقات کے دوران انھوں نے کہا کہ — اگر معلوم ہوتا کہ کوئی ایسا شخص ہے جو یہ جانتا ہے کہ موت کے بعد کیا ہونے والا ہے تو میں اُس سے انتہائی عاجزانہ درخواست کرتا کہ وہ مجھے اس کے بارے میں بتائے:

I would beg him to tell me what is after death.

اِسی قسم کا ایک واقعہ کرسچن مشنری بلی گرہم نے بیان کیا ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ ایک بار میں ایک سفر میں تھا۔ مجھ کو امریکا کے ایک بہت بڑے دولت مند آدمی کا میسیج ملا، جس میں کہا گیا تھا کہ فوراً یہاں آکر مجھ سے ملو۔ جب میں وہاں گیا تو مذکورہ امریکی دولت مند نے کسی تمہید کے بغیر کہا کہ — تم دیکھتے ہو کہ میں بوڑھا ہو چکا ہوں۔ زندگی کی تمام معنویت ختم ہو چکی ہے۔ میں بہت جلد ایک نامعلوم دنیا کی طرف چھلانگ لگانے والا ہوں۔ کیا تم مجھ کو امید کی ایک کرن دے سکتے ہو:

You see, I am an old man. Life has lost all meaning. I am ready to take a fateful leap into the unknown. Young man, can you give me a ray of hope?

ایسے کسی سائل سے صرف یہ کہا جا سکتا ہے کہ موت کے بعد کیا ہوگا، اس کو جاننے کا مستند ذریعہ صرف ایک ہے، اور وہ خدا کی کتاب قرآن ہے۔ کوئی انسان نہیں جانتا کہ موت کے بعد کیا ہونے والا ہے، لیکن خالق ضرور اِس حقیقت کو جانتا ہے اور اس نے اپنی کتاب میں اِس حقیقت کو پوری طرح واضح کر دیا ہے۔

مغربی تہذیب، مغربی کلچر

مغربی تہذیب اور مغربی کلچر دونوں ایک دوسرے سے اُسی طرح الگ ہیں جس طرح اسلام اور مسلمانوں کی قومی تاریخ دونوں ایک دوسرے سے الگ ہیں۔ ایک شخص اگر ایسا کرے کہ وہ صرف مسلم تاریخ کو پڑھے اور اُسی سے اسلام کے متعلق رائے قائم کرے تو وہ کہہ سکتا ہے کہ مسلمانوں کا مذہب نام ہے — باہمی لڑائی، خاندانی حکومت، ملک گیری، فرقہ بندی، عسکریت اور خودکش بم باری جیسی چیزوں کا۔ مگر یہ تاثر سراسر غلط ہوگا، کیوں کہ یہ چیزیں بلاشبہہ مسلم تاریخ کا حصہ ہیں، لیکن وہ ہرگز مذہب اسلام کا حصہ نہیں۔ اسلام کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کو مسلمانوں کی قومی تاریخ سے الگ کرکے دیکھا جائے، ورنہ آدمی اسلام کو سمجھنے سے قاصر رہے گا۔

یہی معاملہ مغربی تہذیب اور مغربی کلچر کا ہے۔ دونوں ایک دوسرے سے الگ ہیں۔ مغربی تہذیب اصلاً سائنسی تہذیب، بالفاظِ دیگر، قوانینِ فطرت کی دریافت کا نام ہے۔ اِس دریافت کے نتیجے میں جو نظام وجود میں آیا، اُسی کا نام مغربی تہذیب ہے۔ دوسری چیز مغربی اقوام ہیں۔ مغربی اقوام کو اُسی طرح آزادی ملی ہوئی ہے جس طرح دوسری قوموں کو آزادی ملی ہوئی ہے۔ وہ بھی اُسی طرح خواہشات کا شکار ہوتی ہیں جس طرح دوسری قومیں خواہشات کا شکار ہوتی ہیں۔ ان کے درمیان بھی اُسی طرح ایک قومی سیاست وجود میں آتی ہے جس طرح دوسرے گروہوں کے درمیان ان کی قومی سیاست وجود میں آتی ہے۔ اِن اسباب کی بنا پر مغربی قوموں کی درمیان بھی وہ تمام خرابیاں پیدا ہوئیں جو دوسری قوموں میں پیدا ہوئیں، حتی کہ خود مسلم قوموں کے درمیان بھی۔ عدل کا تقاضا ہے کہ ہم دونوں پہلوؤں کو ایک دوسرے سے الگ کرکے دیکھیں۔ اِس قسم کی عادلانہ تفکیر کا یہ نتیجہ ہوگا کہ ہم اِس غلطی سے بچ جائیں گے کہ ہم اہلِ مغرب کی قومی خرابیوں کو سائنسی تہذیب کا حصہ سمجھ لیں اور مغربی اقوام اور سائنسی تہذیب دونوں کے بارے میں یکساں طور پر منفی ذہن کا شکار ہوجائیں۔ یہ عین وہی منصفانہ طریقِ مطالعہ ہے جو اسلام اور مسلمانوں کے ذیل میں کیا جاتا ہے۔ مسلمانوں کی قومی خرابیوں کو الگ کرکے

اسلام کو اس کی نظریاتی حیثیت میں دیکھا جاتا ہے۔ اس طریقِ مطالعہ کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مطالعہ کرنے والے کے سامنے اسلام کی بھی درست تصویر آتی ہے اور مسلم قوم کی بھی درست تصویر۔

مغربی تہذیب بمعنی سائنسی تہذیب، اسلام کی دشمن نہیں، بلکہ وہ اسلام کے لیے ایک عظیم مددگار کی حیثیت رکھتی ہے۔ مغربی تہذیب بمعنی سائنسی تہذیب کے ذریعے موجودہ زمانے میں بہت سی نئی حقیقتیں سامنے آئی ہیں۔ اِن حقیقتوں کے ذریعے سائنس نے فیصلے کی ایک نئی بنیاد فراہم کی ہے جو عین ہمارے حق میں ہے۔ مثال کے طور پر سائنسی طریقِ مطالعہ کا ایک نتیجہ یہ تھا کہ کوئی چیز مقدس (holy) نہیں، ہر چیز علمی تنقیح (scientific scrutiny) کے تابع ہے۔ اِس اصول کا نتیجہ یہ ہوا کہ مذہبی تاریخ میں ایک نیا شعبہ علم وجود میں آیا جس کو تنقید عالیہ (higher criticism) کہا جاتا ہے۔ اِس شعبہ علم کے تحت قدیم مذہبی کتابوں، خصوصاً بائبل کا، تنقیدی مطالعہ کیا جانے لگا، جب کہ یہ کتابیں پہلے تنقید سے بالاتر سمجھی جاتی تھیں۔ اِس مطالعے کا نتیجہ یہ ہوا کہ خالص علمی اعتبار سے، یہ ثابت ہو گیا کہ یہ کتابیں تاریخی اعتباریت (historical credibility) سے خالی ہیں۔ اِس سلسلے میں مغربی زبانوں میں بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں، اُن میں سے ایک کتاب یہ ہے:

Albert Schweitzer, *The Quest of the Historical Jesus,* Published 1910, London

اِسی طرح، سائنسی تہذیب نے ایک نیا فکر پیدا کیا جس کو مبنی بر قطعیت فکر (exact thinking) کہا جاتا ہے۔ اِس فکر کا نتیجہ یہ ہوا کہ سبجیکٹیو طرزِ فکر (subjective thinking) غیر معقول قرار پا گیا اور آبجیکٹیو طرزِ فکر (objective thinking) کو درست سمجھا جانے لگا۔ اِس کے نتیجے میں یہ ہوا کہ وہ کتابیں غیر معتبر قرار پا گئیں جو صلیبی جنگوں (Crusades) کے بعد اسلام اور پیغمبر اسلام کو بدنام کرنے کے لیے غیر علمی انداز میں لکھی گئی تھیں۔ اِس معاملے کو سمجھنے کے لیے حسب ذیل کتاب کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے:

On Heroes, Hero-Worship (1841) by Thomas Carlyle

اِسی طرح، سائنسی تہذیب کے تحت فطرت کا جو مطالعہ شروع کیا گیا، اس کے نتیجے میں فطرت کے بہت سے راز دریافت ہوئے۔ رموزِ فطرت کی یہ دریافت اپنی حقیقت کے اعتبار سے، آیات اللہ (signs of God) کے انکشاف کے ہم معنی تھی۔ اِن دریافتوں کے نتیجے میں یہ ممکن ہوگیا کہ اسلام کی صداقتوں کو وقت کے مسلّمہ علمی معیار کی سطح پر ثابت شدہ بنایا جاسکے۔ اِس سلسلے میں ملاحظہ ہو راقم الحروف کی کتاب — مذہب اور جدید چیلنج جو عربی میں 'الإسلام یتحدی' کے نام سے چھپی ہے۔ اِس کتاب کا انگریزی ایڈیشن گاڈ ارائز (*God Arises*) کے نام سے چھپ چکا ہے۔

اِسی طرح مغربی تہذیب کے تحت دنیا میں اور کئی چیزیں وجود میں آئیں جو علمی طور پر مفید ہونے کے علاوہ، خود اسلام کے لیے بے حد مفید تھیں۔ مثلاً فکری آزادی، مذہبی تنگ نظری کا خاتمہ، جمہوریت کا عالمی فروغ، عالمی سیاحت (world tourism)، جس کا مطلب یہ تھا کہ مدعو خود داعی کے پاس بڑی تعداد میں پہنچنے لگا، وغیرہ۔ اسی طرح مغربی تہذیب کے تحت ایک دور وجود میں آیا جس کو دورِ مواصلات (age of communication) کہا جاتا ہے۔ اِس کے تحت پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا جیسی چیزیں وجود میں آئیں جو اسلام کی دعوت واشاعت کے اعتبار سے، بلاشبہہ ایک عظیم نعمت کی حیثیت رکھتی ہیں۔ مغربی تہذیب کے تحت موجودہ زمانے میں اِس طرح کی بہت سی مفید چیزیں وجود میں آئی ہیں۔ چوں کہ مغربی قومیں اور دوسری قومیں بھی اِن چیزوں کا اپنے اپنے مفاد کے لیے استعمال کرتی ہیں، اس لیے مسلمان اس کی اہمیت کو سمجھ نہیں پاتے، مگر اِس دنیا میں خود اللہ تعالی نے ہر عورت اور مرد کو آزادی عطا کی ہے۔ اِس دنیا کے جو فطری وسائل (means) ہیں، اُن کو ہر ایک اپنے حق میں استعمال کرتا ہے۔ اسی طرح تہذیبی وسائل کو بھی ہر گروہ اپنے اپنے حق میں استعمال کرے گا۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اِس معاملے میں خدائی منصوبے کو سمجھیں اور حقیقت پسندانہ روش اختیار کریں۔ جس طرح یہ ممکن نہیں ہے کہ سورج صرف مسلم بستیوں میں چمکے اور غیر مسلم بستیوں میں اندھیرا چھایا رہے، اِسی طرح یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ فطرت میں چھپی ہوئی نعمتوں کو مسلمان تو اپنے حق میں استعمال کریں اور غیر مسلم ان کو اپنے حق میں استعمال کرنے سے محروم رہیں۔

تفرّق فی الدین کا ظاہرہ

کسی امت کے اندر بعد کے زمانے میں ایک ظاہرہ وہ پیدا ہوتا ہے جس کو قرآن میں تفرق فی الدین (30:32) کہا گیا ہے۔ اِس سلسلے میں قرآن کی دو آیتیں یہ ہیں: وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ○ فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ (23:52-53) یعنی یہ تمھاری امت ایک ہی امت ہے، اور میں تمھارا رب ہوں، تو تم مجھ سے ڈرو۔ پھر لوگوں نے اپنے دین کو آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کرلیا۔ ہر گروہ کے پاس جو کچھ ہے، وہ اُسی پر نازاں ہے۔

قرآن کی یہ آیت اُس وقت سمجھ میں آتی ہے جب کہ اس کا مطالعہ قرآن کی ایک اور آیت کی روشنی میں کیا جائے۔ وہ آیت یہ ہے: اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (9:31) یعنی انھوں نے اللہ کے سوا، اپنے احبار اور رہبان کو اپنا رب بنالیا۔

قرآن کی اِن آیتوں کی روشنی میں مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جس چیز کو تفرق فی الدین کہا گیا ہے، وہ دراصل ایک تاریخی عمل ہے جو ہر امت میں اس کے بعد کے ادوار میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہ واقعہ امتِ مسلمہ میں بھی ضرور پیش آئے گا، اِس میں کسی امت کا کوئی استثنا نہیں۔

اصل یہ ہے کہ امت کے بعد کے زمانے میں مختلف مصلحین اٹھتے ہیں۔ امت کے یہ مصلحین اپنے قریبی حالات کے زیر اثر دین کے کسی تقاضے کو بیان کرتے ہیں اور اس کی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں۔ اِس کی بنیاد پر اُن کے گرد دھیرے دھیرے ایک گروہ بن جاتا ہے۔ اِس گروہ کے اندر اپنے مسلک کے حق میں رفتہ رفتہ تعصب کا ذہن پیدا ہوجاتا ہے۔ وہ سمجھ لیتے ہیں کہ ہمارے اکابر نے جو بات کہی تھی، وہی آخری سچائی ہے۔ تعصب کا یہ ذہن بڑھتا رہتا ہے، یہاں تک کہ ہر گروہ ایک جامد گروہ کی صورت اختیار کرلیتا ہے۔ ہر گروہ یہ سمجھ لیتا ہے کہ وہی حق پر ہے اور دوسرے لوگ حق پر نہیں ہیں۔ یہی وہ تاریخی عمل ہے جس کی طرف قرآن کی مذکورہ آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔

اِس حقیقت کی روشنی میں یہ کہنا صحیح ہوگا کہ تفرق فی الدین کا مطلب ہے — دینِ خداوندی کے بجائے دینِ اکابر پر قائم ہوجانا۔ کسی امت پر جب یہ وقت آتا ہے تو ایسا نہیں ہوتا کہ وہ اللہ اور رسول کا نام نہ لے۔ اللہ اور رسول کا چرچا تو بدستور اُن کے درمیان جاری رہتا ہے، لیکن اپنی حقیقت کے اعتبار سے، لوگ اپنے اکابر کے دین پر قائم ہوتے ہیں۔ وہ بظاہر اللہ اور رسول کا نام لیتے ہیں، لیکن صرف اِس لیے کہ وہ اپنے اختیار کردہ مسلک کو اللہ اور رسول کے حوالے سے درست ثابت کرسکیں۔ کسی امت کی یہ حالت ایک غیر مطلوب حالت ہے۔ ایسے گروہ، خواہ وہ اپنے آپ کو دینی گروہ یا خدائی گروہ قرار دیں، لیکن اللہ کے نزدیک ان کا کیس تفرق فی الدین کا کیس ہے، ان کا کیس اتباعِ دین کا کیس نہیں۔ اللہ کے نزدیک وہ اپنے خود ساختہ اکابر کے دین پر ہیں، نہ کہ حقیقتاً خدا اور رسول کے دین پر۔

تفرق فی الدین کا یہ ظاہرہ صرف پچھلی امتوں کے ساتھ مخصوص نہیں۔ یہ دراصل دورِ زوال کا ظاہرہ ہے جو ہر امت کے بعد کے دور میں لازماً پیدا ہوتا ہے۔ اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کے مطابق، یقیناً وہ امتِ مسلمہ میں بھی پیدا ہوگا۔ ایک روایت کے مطابق، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: إن بني إسرائيل تفرقت على ثنتين وسبعين ملة وتفترق أمتي على ثلاث وسبعين ملة، كلهم في النار إلا ملة واحدة. قالوا ومن هي يا رسول الله، قال ما أنا عليه وأصحابي (سنن الترمذي، رقم الحديث: 4641) یعنی بنی اسرائیل 72 گروہ میں بٹ گئے اور میری امت 73 گروہ میں بٹ جائے گی۔ اِن میں سے ہر گروہ آگ میں ہوگا، سوا ایک گروہ کے۔ صحابہ نے پوچھا کہ یہ کون سا گروہ ہے جو آگ سے محفوظ ہوگا، اے خدا کے رسول۔ آپ نے فرمایا: وہ گروہ جو میرے اور میرے اصحاب کے راستے پر ہوگا۔

اِس حدیثِ رسول میں 73 سے مراد عدد نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد کثرت ہے، یعنی کثیر تعداد میں فرقوں کا وجود میں آنا۔ فرقوں کی یہ تعداد 73 سے کم بھی ہوسکتی ہے اور 73 سے زیادہ بھی۔ اِس حدیث رسول کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ''73'' فرقوں میں تمام فرقے غیر ناجی ہوں گے اور صرف ایک فرقہ ناجی ہوگا۔ قانونِ خداوندی کے مطابق، نجات ہمیشہ مبنی بر فرد ہوتی ہے، نہ کہ مبنی بر جماعت۔

''فرقۂ ناجیہ'' کا تصور سراسر بے بنیاد ہے۔ اِس تصور کا کوئی تعلق مذکورہ حدیث رسول سے نہیں۔ اِس حدیث رسول کا مطلب صرف یہ ہے کہ آخرت کی نجات فرقہ کی بنیاد پر نہیں ہوگی، بلکہ یہ ہوگا کہ مختلف فرقوں میں سے جو افراد اپنی انفرادی حیثیت میں اللہ کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم پر قائم ہوں گے، وہ آخرت میں نجات کے مستحق قرار پائیں گے۔

جیسا کہ عرض کیا گیا، تفرق کے معاملے کا آغاز اکابر امت سے ہوتا ہے۔ یہ لوگ حالات کے زیر اثر ایک بات کہتے ہیں جو بعد کے زمانے میں غلو اور تعصب کی بنا پر ایک علاحدہ مسلک بن جاتی ہے اور آخر کار وہ ایک جامد فرقہ کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ یہ واقعہ بنیادی طور پر دو سبب سے پیدا ہوتا ہے— ایک، شفٹ آف امفیسس (shift of emphasis) اور دوسرے، اجتہادی خطا۔ اِن دونوں صورتوں کی مثالیں یہاں نقل کی جاتی ہیں، ماضی کی تاریخ سے بھی اور حال کی تاریخ سے بھی۔

امتِ مسلمہ کے ماضی میں شفٹ آف امفیسس کی ایک مثال صوفیا کے یہاں ملتی ہے۔ صوفیا کا زمانہ وہ ہے جب کہ مسلمانوں کی بڑی بڑی سلطنتیں قائم ہو گئیں۔ صوفیا نے دیکھا کہ سیاست کا ذہن بہت بڑھ گیا ہے اور اس کے مقابلے میں لوگوں کے اندر دین کا روحانی پہلو بہت دب گیا ہے۔ اِن حالات میں صوفیا نے دین کے روحانی پہلو یا اعمالِ قلب پر اس طرح زور دیا جیسے کہ وہی دین میں سب کچھ ہو۔ صوفیا کے بعض متنازع طریقوں سے قطع نظر، اُن کا کیس اپنی حقیقت کے اعتبار سے، شفٹ آف امفیسس کا کیس تھا۔ یہ معاملہ ویسا ہی تھا جیسے ایک عالم کے زمانے میں یہ واقعہ پیش آیا کہ لوگ مسح علی الخفین کو غیر افضل سمجھنے لگے۔ اُس وقت انھوں نے مسح علی الخفین کے طریقے پر زور دینے کے لیے یہ فتوی دیا کہ: المسح علی الخفین واجب (خفین پر مسح واجب ہے)۔ صوفیا کے اس شفٹ آف امفیسس کے نتیجے میں مسلمانوں کے اندر دین کے نام پر ''پراسرار مذہبیت'' آ گئی اور عقلی غور و فکر اور حقیقت پسندی کا تقریباً خاتمہ ہو گیا۔

دوسری صورت اجتہادی خطا کی ہے۔ اِس معاملے کی ایک مثال وہ ہے جو عباسی دور کے فقہا کے یہاں نظر آتی ہے۔ اُس زمانے میں یہ واقعہ پیش آیا کہ حدیثیں اور صحابہ کے آثار جمع کیے گئے اور

ان کو کتابوں کی صورت میں مدون کیا گیا۔ اُس وقت لوگوں کو معلوم ہوا کہ صحابہ کے یہاں عبادت کے طریقوں میں بہت سے جزئی فرق پائے جاتے ہیں۔ اِس معاملے کی بابت رہنمائی حدیث میں موجود تھی، کیوں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کے بارے میں فرمایا تھا: بأیھم اقتدیتم اھتدیتم (کشف الخفاء: 1/146)

اِس حدیثِ رسول کے مطابق، عبادت کے طریقوں میں جزئی فرق تنوع (diversity) کی بنا پر تھا، وہ حق اور ناحق کا مسئلہ نہ تھا، ان میں سے ہر طریقہ یکساں طور پر درست تھا۔ لیکن دورِ عباسی کے فقہا نے اجتہاد کر کے یہ کہا کہ: الحق لا یتعدد (حق کئی نہیں ہو سکتے)۔ چناں چہ انھوں نے بحث وتنقیح کر کے ترجیحات قائم کیں۔ انھوں نے ایک طریقے کو اختیار کیا اور دوسرے طریقے کو قابلِ ترک قرار دیا۔ مختلف فقہا نے اپنے اپنے طریقے پر اِس کام کو انجام دیا۔ اِس طرح مختلف فقہی اسکول بن گئے جنھوں نے بعد کو غلو اور تعصب کی بنا پر آخر کار جامد فقہی مذہب کی صورت اختیار کر لی۔

اب اس معاملے میں بعد کے زمانے کی مثال لیجئے۔ موجودہ زمانے میں شفٹ آف امفیسس (shift of emphasis) کی ایک مثال اُس دینی گروہ میں ملتی ہے جس کو عام طور پر تبلیغی جماعت کہا جاتا ہے۔ تبلیغی جماعت کے بانی مولانا محمد الیاس کاندھلوی (وفات: 1944) نے اپنے زمانے میں دیکھا کہ لوگ عام طور پر نمازوں سے غافل ہیں۔ مسجدوں کا وہ حال ہو گیا جس کو علامہ اقبال نے اِن الفاظ میں بیان کیا تھا:

مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے

اِس صورتِ حال کی بنا پر مولانا محمد الیاس کاندھلوی نے نماز کی اہمیت پر بہت زیادہ زور دیا۔ نماز کو زندہ کرنے کے لیے انھوں نے ایک مستقل تحریک اٹھائی۔ لیکن بعد کو یہ تحریک غلو اور تعصب کا شکار ہو گئی۔ لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ دین صرف ''مسجد وار تحریک'' کا نام ہے۔ حالاں کہ دین کی دعوت وتبلیغ ایک انسان وار تحریک ہے، وہ محدود معنوں میں صرف مسجد وار تحریک نہیں۔

موجودہ زمانے میں اجتہادی خطا کی ایک مثال جماعت اسلامی ہے جو مولانا سید ابوالاعلی مودودی

کے افکار پر قائم ہوئی۔ مولانا سید ابو الاعلی مودودی (وفات: 1979) ایک ایسے زمانے میں پیدا ہوئے جب کہ دنیا میں سیاسی تحریکوں کا زور تھا— اشتراکی تحریک، جمہوری تحریک، قومی آزادی کی تحریک، وغیرہ۔ لوگ عام طور پر سیاست کو سب سے بڑی چیز سمجھنے لگے تھے۔ مولانا ابوالاعلی مودودی اِن حالات سے متاثر ہوئے۔ انھوں نے اسلام کو اِس طرح پیش کیا جیسے کہ وہ کوئی سیاسی نظام ہو، جیسے کہ اس کا نشانہ عالمی حکومت قائم کرنا ہو۔ اِس تصور کے تحت مولانا مودودی نے قرآن کی آیتوں کی سیاسی تفسیر کی اور سنتِ رسول کو سیاسی اصطلاحوں میں بیان کیا۔ یہ واضح طور پر اجتہادی خطا کی ایک مثال تھی۔ کیوں کہ اسلام ایک ربانی تحریک ہے، نہ کہ کوئی سیاسی تحریک۔ (اِس موضوع پر راقم الحروف کی ایک تفصیلی کتاب ''تعبیر کی غلطی'' کے نام سے چھپ چکی ہے۔ اس کتاب کا عربی ترجمہ بھی چھپ چکا ہے۔ اس کا ٹائٹل یہ ہے: خطأ في التفسير۔

مسئلے کا حل

دوبارہ اصلاحِ حال کے لیے ضروری ہے کہ ہر گروہ برابر اپنا محاسبہ کرتا رہے، وہ اپنے اکابر کے افکار کا بے لاگ انداز میں بار بار جائزہ لیتا رہے۔ جس چیز کو اس کے اکابر نے حالات کے زیر اثر اختیار کیا تھا، اُس کو دوبارہ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کی روشنی میں جانچا جائے اور کھلے ذہن کے ساتھ اس کا تجزیہ کیا جائے، کوئی بھی تحریک یا گروہ اِس جائزے سے مستثنی نہیں۔ اِس جائزے کا یہ نتیجہ ہوگا کہ امرِ حق دوبارہ منقح ہو کر سامنے آجائے گا، ہر گروہ دوبارہ دینِ خداوندی کو دریافت کر کے اُس پر قائم ہو جائے گا۔

ایک عالم یا رہنما کے ساتھ یہ واقعہ پیش آنا کہ وہ حالات کے زیر اثر بات کہے یا دین کا ایک تقاضا بیان کرے، اپنی ابتدائی صورت میں وہ تفرق فی الدین کا واقعہ نہیں ہوگا، بلکہ وہ ایک فرد کا طرز فکر یا ایک فرد کا ذاتی اجتہاد ہوگا۔ لیکن جب اُس کے گرد ایک گروہ بن جائے اور وہ تعصب کی نفسیات میں مبتلا ہو کر ایک جامد گروہ کی صورت اختیار کر لے تو یہی وہ واقعہ ہے جہاں سے تفرق فی الدین کی برائی کا آغاز ہوتا ہے۔ یہ برائی رفتہ رفتہ شدید ہو کر اِس نوبت کو پہنچ جاتی ہے کہ ہر گروہ شعوری یا غیر شعوری طور پر

یہ سمجھنے لگتا ہے کہ صرف وہی حق پر ہے اور دوسرے تمام گروہ باطل پر۔ اِسی کو قرآن میں تحزّب کہا گیا ہے۔ جو لوگ تحزب کی اِس نفسیات کا شکار ہوں، وہ کسی بھی حال میں اپنے خلاف کوئی تنقید سننے پر راضی نہیں ہوتے، خواہ تنقید کتنے ہی زیادہ قوی دلائل کے ساتھ کی گئی ہو۔

تفرق فی الدین ایک مسئلہ ہے، وہ کوئی ابدی برائی نہیں۔ حالات کے زیر اثر ہر امت میں یہ مسئلہ ضرور پیدا ہوتا ہے، لیکن اِسی کے ساتھ اِس مسئلے کا حل بھی بلاشبہہ موجود ہے۔ یہ حل وہی ہے جس کو محاسبہ (introspection) کہا جاتا ہے۔ محاسبہ کی ایک قسم وہ ہے جو انفرادی محاسبہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اِسی کے ساتھ قرآن میں اجتماعی محاسبہ کی بھی تعلیم دی گئی ہے، قرآن کی درج ذیل آیات کا تعلق اِسی اجتماعی محاسبہ سے ہے: وَتُوبُوٓا إِلَى اللهِ جَمِيعًا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (24:31) یعنی اے ایمان والو، تم سب مل کر اللہ کی طرف رجوع کرو، تاکہ تم فلاح پاؤ۔

قرآن کی اِس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ فلاح (اصلاحِ حال) کا تعلق اجتماعی توبہ سے ہے۔ اجتماعی توبہ کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کے اجتماعی ادارے کھلے طور پر اِس قسم کا اعلان کریں، مسلمانوں کے دار الافتا اِس قسم کے فتوے دیں، مسلمانوں کے میڈیا میں اِس قسم کے مضامین شائع کیے جائیں، اِسی طرح کی اجتماعی کوشش کو مذکورہ آیت میں اجتماعی توبہ کہا گیا ہے۔ یہی وہ طریقہ ہے جس سے دوبارہ اصلاحِ حال کا دروازہ کھل سکتا ہے۔ (30 اپریل 2013)

ایک تاریخی قانون

قرآن کی سورہ البقرہ میں ایک تاریخی قانون کو اِن الفاظ میں بیان کیا گیا ہے: وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ○ فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۙ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (2:250-251)۔ یعنی جب جالوت اور اس کی فوجوں سے اُن (بنی اسرائیل) کا سامنا ہوا تو انھوں نے کہا: اے ہمارے رب، ہمارے اوپر صبر ڈال دے اور ہمارے قدموں کو جما دے اور منکروں کے مقابلے میں تو ہماری مدد کر۔ پھر انھوں نے اللہ کے اذن سے اُن (فلسطینیوں) کو شکست دی۔ اور داؤد نے جالوت کو قتل کر دیا۔ اور اللہ نے داؤد کو ملک اور حکمت عطا کیا اور جن چیزوں کا چاہا، اس کا علم بخشا۔ اور اگر اللہ بعض کو بعض لوگوں سے دفع نہ کرتا رہے تو زمین فساد سے بھر جائے۔ مگر اللہ دنیا والوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے۔

Had it not been for God's repelling some people by means of others, the earth would have been filled with corruption. But God is bountiful to mankind.

قرآن کی اِن آیات میں جس واقعے کا ذکر ہے، وہ واقعہ قبل مسیح دور سے تعلق رکھتا ہے۔ فلسطین کے جنوبی حصہ (southern coastal area) میں ایک واقعہ ہوا۔ بارہویں صدی قبل مسیح میں یہاں ایک قوم آ کر آباد ہوئی جس کو تاریخ میں فِلسطی یا فلسطینی (Philistines) کہا جاتا ہے۔ اِن لوگوں نے یہاں اپنی حکومت قائم کر لی۔ بعد کو اُن کے درمیان بگاڑ آیا۔ اُس زمانے میں فلسطین کے شمالی حصے میں بنی اسرائیل آباد تھے۔ فلسطینی، بنی اسرائیل کے خلاف سرکشی کرنے لگے، یہاں تک کہ 1010 قبل مسیح میں فلسطینیوں کا بنی اسرائیل سے مسلّح ٹکراؤ ہوا۔ اِس ٹکراؤ میں ایک اسرائیلی نوجوان داؤد کی بہادری سے فلسطینیوں کو شکست ہوئی۔ اِس کے بعد رفتہ رفتہ 732 قبل مسیح میں فلسطینیوں کا اِس علاقے سے خاتمہ ہو گیا۔

قرآن کی مذکورہ آیت میں 'دفع' (repel) کا لفظ استعمال ہوا ہے، یعنی ہٹانا۔ لسان العرب میں 'دفع' کی تشریح 'الإزالة بقوة' (8/87) سے کی گئی ہے۔ یہ 'دفع' دراصل تاریخ کے بارے میں اللہ کا ایک قانون ہے۔ مذکورہ واقعے میں اللہ تعالیٰ نے اسرائیلی گروہ کے ذریعے فلسطینی گروہ کو اقتدار سے ہٹایا تھا۔ اللہ انسانی تاریخ کی مسلسل نگرانی کر رہا ہے، وہ انسان کی آزادی کو باقی رکھتے ہوئے انسانی تاریخ کو مینیج (manage) کر رہا ہے، وہ بار بار ایسے حالات پیدا کرتا ہے جب کہ ایک قوم دوسری قوم کو مقامِ اقتدار سے ہٹائے۔ اگر ایک قوم مسلسل طور پر مقامِ اقتدار پر قابض رہے تو اُس کے اندر جمود (stagnation) پیدا ہو جائے گا۔ یہ جمود مختلف صورتوں میں فساد (corruption) کا سبب بنے گا۔

دفع کے اِس قانون کا تعلق سیکولر قوموں سے بھی ہے اور مذہبی قوموں سے بھی۔ اِس معاملے کی ایک مثال ہندستان ہے۔ ہندستان میں پہلے راجاؤں کی حکومت تھی۔ راجاؤں کے بعد یہاں مغل دور آیا، پھر مغل دور ختم ہوا اور برٹش دور آیا۔ اس کے بعد 1947 میں برٹش دور کا خاتمہ ہوا اور قومی حکومت (national government) کا دور آیا۔ یہ تمام تبدیلیاں دفع کے قانون کے تحت ہوئیں۔ ہر بار جب ایک گروہ کے اندر ''فساد'' آ گیا تو اس کو ہٹا کر اس کی جگہ دوسری قوم لائی گئی۔ گویا پرانے خون (old blood) کی جگہ نئے خون (new blood) کو کام کرنے کا موقع دیا گیا۔ اِس عمل کو ریڈیکل آپریشن (radical operation) کہا جا سکتا ہے۔

اوپر کی آیت میں یہ الفاظ آئے ہیں: وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ۔ آیت کے اِس ٹکڑے میں اللہ تعالیٰ کے جس 'فضل' کا ذکر ہے، اُس سے مراد یہی قانونِ دفع ہے جو مسلسل طور پر سیاسی اقتدار کی تنظیم کر رہا ہے۔ یہ تنظیم انسان کی اعلیٰ بہبود کے لیے ہے۔ اگر قانونِ دفع کی صورت میں انسانی اقتدار کی تنظیم نہ کی جائے تو دنیا میں سیاسی اجارہ داری (political monopoly) آ جائے اور پھر انسانی تاریخ اپنی مطلوب منزل پر نہ پہنچ سکے گی۔

یہود کی تاریخ

دفع کے اِس قانون کا نفاذ بعد کے زمانے میں خود یہود (بنی اسرائیل) پر کیا گیا۔ بنی اسرائیل کو

اللہ تعالیٰ نے عروج اور غلبہ عطا کیا، لیکن ایک مدت کے بعد یہود میں بھی وہی ''فساد'' پیدا ہوا جو کہ ہر قوم میں پیدا ہوتا ہے۔ جب ایسا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے کسی اور قوم کے ذریعے یہود کے ساتھ دفع کا وہی معاملہ کیا جس کو ہم نے ریڈیکل آپریشن (radical operation) کا نام دیا ہے۔

اِس سلسلے میں قرآن میں دو متعین آپریشن کا حوالہ دیا گیا (17:4-8)۔ پہلا واقعہ بابل (عراق) کے بادشاہ نبوکدنضر (Nebuchadnezzar) کا ہے۔ اس نے 586 قبل مسیح میں فلسطین پر حملہ کیا، جو اُس وقت بنی اسرائیل کے زیر قبضہ تھا۔ نبوکدنضر نے بنی اسرائیل کی سیاسی طاقت کو توڑ دیا اور یروشلم میں ان کے عبادت خانہ (ہیکل سلیمانی) کو مکمل طور پر ڈھا دیا۔ اِس کے بعد دوسرا واقعہ وہ ہے جو رومی بادشاہ ٹائٹس (Titus) کے ذریعے پیش آیا۔ ٹائٹس نے 70 عیسوی میں یروشلم پر حملہ کر کے اس کو پوری طرح تباہ کر دیا۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: تذکیر القرآن، صفحہ 762-760)۔

بنی اسرائیل کے خلاف یہ آپریشن بطور سزا (punishment) نہ تھا، بلکہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے، وہ بطور انتباہ (warning) تھا۔ وہ اِس لیے تھا کہ بنی اسرائیل متنبہ ہوں، اُن کا جمود ٹوٹے اور وہ اپنی اصلاح کر کے دوبارہ اللہ کی رحمت کے مستحق بن جائیں۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کو قرآن میں اِن الفاظ میں بیان کیا گیا ہے: عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ۚ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا (17:8)۔ لیکن بنی اسرائیل دوبارہ اصلاح قبول نہ کر سکے۔ وہ بدستور اپنی حالت پر قائم رہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو حاملِ کتاب الٰہی ہونے کی حیثیت سے معزول کر دیا اور بنو اسماعیل کو حاملِ کتاب الٰہی کی حیثیت دے دی۔ تبدیلی کے اِس واقعے کا ذکر قرآن کی ایک آیت میں اِن الفاظ میں کیا گیا ہے: اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا (4:54)۔

مسلم تاریخ کی مثال

مسلم ملت دفع کے اِس تاریخی قانون سے مستثنیٰ نہیں۔ چناں چہ پچھلے چودہ سو سال میں یہ معاملہ بار بار پیش آیا ہے، یعنی ایک گروہ کو مقامِ اقتدار سے ہٹا کر اس کی جگہ دوسرے گروہ کو

مقامِ اقتدار پر لانا، ایک گروہ کو معزول کرکے دوسرے گروہ کو کام کا موقع دینا۔ پچھلے چودہ سو سال میں جن مسلم گروہوں کو اقتدار ملا، اُن کی بنیادی تقسیم یہ ہے:

1۔ خلافتِ راشدہ (Rashidun Caliphate) 661-632ء

2۔ خلافتِ امیہ (Umayyad Caliphate) 750-661ء

3۔ خلافتِ اندلس (Moorish Empire) 1492-711ء

4۔ خلافتِ بنوعباس (Abbasid Empire) 1258-750ء

5۔ مغل سلطنت (Mughal Empire) 1857-1226ء

6۔ عثمانی خلافت (Ottoman Empire) 1922-1299ء

مذکورہ سیاسی واقعات میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک مسلم گروہ کو اقتدار حاصل ہوتا ہے اور پھر ایک مدت کے بعد اُس کو ہٹا کر اس کی جگہ دوسرے گروہ کو لایا جاتا ہے۔ مسلم ملت کے درمیان یہ سلسلہ تقریباً انیسویں صدی کے آخر تک جاری رہتا ہے۔ اس کے بعد مسلمانوں کا غلبہ ختم ہوجاتا ہے اور مغربی قوموں کو غلبہ حاصل ہوجاتا ہے، خواہ براہِ راست طور پر یا بالواسطہ طور پر۔ یہ تمام واقعات اتفاقاً نہیں ہورہے ہیں، بلکہ وہ اللہ رب العالمین کے قائم کردہ تاریخی قانون کے تحت ہورہے ہیں۔

خلافتِ راشدہ کی اصطلاح ایک سیاسی ادارہ کی حیثیت سے بعد کے دور میں وضع ہوئی۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت کا جو سیاسی ادارہ قائم ہوا، وہ تقریباً 30 سال تک باقی رہا۔ اس کے بعد اس کا خاتمہ ہوگیا۔ ایسا اتفاقاً نہیں ہوا۔ اِس کا سبب یہ تھا کہ بعد کے زمانے میں خلافت کا یہ ادارہ اپنی اخلاقی خوبیوں کے باوجود سیاسی استحکام (political stability) کو باقی رکھنے کے قابل نہ رہا، اِس لیے اس کو ہٹا کر بنوامیہ کا دور لایا گیا۔ بنوامیہ کا خاص کارنامہ یہ تھا کہ انھوں نے عربی زبان اور عرب کلچر (المروءۃ، وغیرہ) کے فروغ کا شدت سے اہتمام کیا جو کہ اُس وقت قرآن کی کامل حفاظت کے لیے ضروری تھا۔

بنوامیہ کی حکومت تقریباً 90 سال تک جاری رہی۔ ان کے دورِ حکومت کے آخری زمانے میں یہ بات واضح ہوگئی کہ عربیت کے تحفظ میں انھوں نے عالمی تقاضے کو فراموش کردیا۔ چناں چہ اس کے بعد

بنوامیہ کو اقتدار کے مقام سے ہٹا کر ان کی جگہ بنوعباس کو لایا گیا۔ بنوعباس کے دور میں کئی بڑے بڑے کام انجام پائے — احادیث کو جمع کرنا، علومِ اسلامی کی تدوین، اسلام کی اشاعت، وغیرہ۔ اِس کے علاوہ انھوں نے اُس وقت کے سیکولر علوم کو حاصل کیا اور ان کو فروغ دیا۔ اِس کے نتیجے میں مسلمانوں کے اندر عالمی فکر پیدا ہوا۔ بنوعباس کے دبدبے کے تحت حفاظتِ دین کا کام کامیابی کے ساتھ جاری رہا۔ واضح ہو کہ دورِ قدیم میں حفاظتِ دین کے لیے سیاسی دبدبہ ضروری تھا، مگر اب پرنٹنگ پریس اور دوسرے موافق اسباب کے ظہور کے بعد سیاسی دبدبے کے بغیر خدا کا دین کامل طور پر محفوظ ہے۔

بنوعباس کی سلطنت تقریباً 500 سال تک جاری رہی۔ اس کے بعد فطری طور پر بنوعباس میں جمود کا دور آ گیا۔ وہ ترقی کے سفر کو مزید جاری رکھنے کے قابل نہ رہے۔ چناں چہ تیرھویں صدی عیسوی میں تاتاریوں کے ذریعے ایک آپریشن کیا گیا اور اِس طرح عباسی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔

اِس کے بعد تاریخی قانون کے مطابق، دوسری قوموں کو موقع دیا گیا۔ عباسی دور ہی میں ایک مسلم گروہ اٹھا جس نے اندلس (اسپین) میں اپنا اقتدار قائم کر لیا۔ اِس حکومت کو سیکولر مورخین مورش سلطنت (Moorish Empire) کا نام دیتے ہیں۔ مورش سلطنت کو موافق حالات ملے، چناں چہ انھوں نے علم کی ترقی میں مزید بہت زیادہ اضافہ کیا۔ اُس دور کے ترقیاتی نمونوں کو استنبول (ترکی) کے میوزیم (The Istanbul Museum of the History of Science and Technology in Islam) میں دیکھا جا سکتا ہے۔

مگر بعد کے دور میں اندلس کی مسلم سلطنت میں بگاڑ آ گیا۔ اس کے حکمراں عیش و عشرت میں پڑ گئے۔ آخر کار 700 سال سے زیادہ مدت کے بعد اُن پر دفع کا قانون نافذ ہوا اور اسپین کے مسیحی حکمراں نے لڑ کر اُن کا خاتمہ کر دیا۔

اِسی دور میں مغل حکمراں ہندستان میں داخل ہوئے اور یہاں ایک طاقت ور مسلم سلطنت قائم کر دی۔ مغل سلطنت کے زیر سایہ ہندستان میں کئی کام انجام پائے۔ مغل حکمرانوں کو دعوت و تبلیغ سے کوئی دلچسپی نہ تھی، لیکن اُن کے دبدبے کے تحت صوفیوں کو یہ موقع ملا کہ وہ اِس ملک میں اسلام کی

اشاعت بڑے پیمانے پر کرسکیں۔لیکن بعد کے دور میں مغل حکمرانوں میں بھی وہی بگاڑ آیا جو ہر قوم میں آتا ہے۔ چناں چہ 600 سال کے بعد ہندستان میں برٹش قوم ابھری اور اس نے 1857 میں مغل سلطنت کا خاتمہ کردیا۔

اِس سلسلے میں آخری نام عثمانی خلافت کا ہے۔اس نے یورپ اور ایشیا اور افریقہ کے بڑے رقبے میں اپنی سلطنت قائم کی۔اس نے لمبے عرصے تک اسلام کا دبدبہ قائم رکھا۔اِس طرح یہ ہوا کہ پرنٹنگ پریس اور دوسرے موافق اسباب کے ظہور سے پہلے کے دور میں وہ دینِ اسلام کی محافظ بنی رہی۔آخر کار عثمانی خلافت میں بھی بڑے پیمانے پر جمود پیدا ہوا، وہ مسلسل کمزور ہوتی چلی گئی، یہاں تک کہ 600 سال کے بعد مغربی قوموں کا ظہور ہوا اور اِس طرح عثمانی خلافت کا دور ختم ہوگیا۔ کہا جاتا ہے کہ کمال اتاترک (وفات:1938) نے عثمانی خلافت کا خاتمہ کردیا، مگر اصل حقیقت یہ ہے کہ کمال اتاترک نے 1924 میں ترک خلافت کے خاتمے کا صرف اعلان کیا تھا، اُس کا خاتمہ اِس سے بہت پہلے ہو چکا تھا (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، ماہ نامہ الرسالہ، نومبر 2012)۔

جمہوریت کا رول

دفع کا قانون پچھلے زمانے میں انقلابی عمل (ریڈیکل آپریشن) کے ذریعے انجام پاتا تھا، مگر موجودہ زمانے میں اِس طریقے کو بدل دیا گیا۔اِسی بدلے ہوئے طریقے کو موجودہ زمانے میں جمہوریت کہا جاتا ہے۔جمہوریت دراصل دفع کے قانون کا باقاعدہ انسٹی ٹیوشنلائزیشن (institutionalization) ہے۔ فرانسیسی انقلاب (French Revolution) جمہوری دور کا آغاز ہے جس نے 1792 میں بادشاہی نظام کا خاتمہ کیا۔اس کے بعد عالمی سیاست میں ایک نیا دور آیا، جس کے نتیجے میں یہ ممکن ہوگیا کہ الیکشن کے ذریعے پُرامن طور پر حکومت کی تبدیلی ممکن ہوگئی۔اِس طرح تاریخ میں ریڈیکل تبدیلی کے بجائے، پرامن تبدیلی (peaceful change) کا دور آ گیا۔

موجودہ زمانے کے مسلمان اِس الٰہی منصوبے کو سمجھ نہ سکے۔وہ خود ساختہ ذہن کے تحت یہ کررہے ہیں کہ کہیں وہ ناکام طور پر دوسری قوموں سے لڑ رہے ہیں۔مسلمانوں کی یہ منفی روش

قانون الٰہی کے خلاف ہے، اِس لیے اس کا کوئی مفید نتیجہ نکلنے والا نہیں۔ اسی طرح کہیں ایسا ہے کہ مسلمان پچھلے سیاسی ماڈل کی گرفت سے آزاد نہ ہونے کی بنا پر خاندانی لیڈر شپ قائم کئے ہوئے ہیں۔ کہیں اگر ان کو کچھ سیاسی اقتدار مل گیا ہے تو وہاں وہ آپس میں ایک دوسرے سے لڑ رہے ہیں۔ اِن میں سے کوئی بھی صورت خدا کے منصوبے کے مطابق نہیں، اِس لیے وہ نتیجہ خیز بننے والی بھی نہیں۔

رول کی تبدیلی

اللہ نے انسان کی ہدایت کے لیے جو دین بھیجا، اُس کے دو تقاضے تھے — ایک تھا، اس کی حفاظت (preservation)، اور دوسرا تھا اس کا اظہار۔ دین کی حفاظت کا کام پہلے، بنی اسرائیل کو سونپا گیا، مگر وہ اس میں ناکام ہو گئے۔ اِس واقعہ کا ذکر قرآن میں ان الفاظ میں کیا گیا ہے: اَلَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا (62:5)

بنی اسرئیل کی ناکامی کے بعد بنو اسماعیل (امتِ محمدی) کو دینِ خداوندی کے حامل ہونے کی یہ ذمے داری سپرد کی گئی۔ امت محمدی نے اپنے آغاز کے بعد ہزار سال کی مدت میں دین کی حفاظت کا کام پوری طرح انجام دے دیا۔ اب خدا کا دین کامل طور پر محفوظ ہے۔ امت محمدی کو اس کے آغاز کے بعد لمبی مدت تک مددگار قوت کے طور پر سیاسی دبدبہ عطا کیا گیا۔ اس دبدبے کا خاص مقصد یہی تھا کہ دین کا متن (text) اور اس کی تاریخ مستند طور پر محفوظ ہو جائے۔

اِس کے بعد دوسرا کام جو مطلوب تھا، اس کو ایک لفظ میں اظہار کہا جا سکتا ہے۔ امت مسلمہ اِس دوسرے کام کو انجام نہ دے سکی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو غیر معمولی مواقع دئے گئے — تعداد، دولت اور سیاسی طاقت، وغیرہ۔ مگر امت مسلمہ اِس دوسرے مطلوب کام کو انجام دینے میں ناکام رہی۔ اٹھارھویں صدی کے آخر میں یہ واضح ہو گیا کہ امت مسلمہ اب اُسی طرح ایک بے جان قوم بن چکی ہے، جیسا کہ اِس سے پہلے بنی اسرائیل اپنے دورِ زوال میں ایک بے جان قوم بن چکے تھے۔

بے جان ہونے کا مفہوم

کسی امت کے بے جان ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ دینِ خداوندی کو چھوڑ دے اور

اعلان کے ساتھ کوئی دوسرا دین اختیار کرلے۔ اِس قسم کی تبدیلی نہ پہلے کبھی ہوئی اور نہ آج ہوگی۔ یہ ایک واقعہ ہے کہ 14 صدیاں گزرنے کے بعد امتِ مسلمہ پر وہ وقت آ گیا جو پچھلی امتوں پر آیا تھا، یعنی مسلمان عملاً ایک بے جان قوم بن گئے۔ اب کوئی بھی اصلاحی جدوجہد ان کو مجموعی طور پر دوبارہ زندہ کرنے والی نہیں۔ اب جو چیز ہونے والی ہے، وہ صرف یہ کہ امت کے کچھ افراد کو شخصی طور پر زندگی ملتی رہے گی، نہ کہ پورے مجموعے کو۔

اِس صورتِ حال کا سبب کیا ہے۔ اِس کا سبب یہ ہے کہ دھیرے دھیرے امت کی بعد کی نسلوں میں یہ واقعہ پیش آتا ہے کہ لوگ اسلام کے نام پر ایک خود ساختہ اسلام (self-styled version of Islam) بنا لیتے ہیں۔ اِس خود ساختہ اسلام میں اسپرٹ حذف ہوجاتی ہے اور صرف کچھ ظاہری شکلیں باقی رہتی ہیں۔ پھر لمبی مدت تک اُس پر قائم رہتے ہوئے وہ اُس پر پختہ (conditioned) ہوجاتے ہیں۔ اِس پختگی (conditioning) کے ساتھ ہمیشہ ایک فرضی یقین (false conviction) جمع ہوجاتا ہے۔ وہ اپنے وضع کردہ اسلام پر اِس طرح جینے لگتے ہیں، جیسے کہ وہ خدا اور رسول کے دین پر قائم ہیں۔ اِسی فرضی یقین کا نام بے جان ہونا یا زندگی سے محرومی ہے۔ جو لوگ اِس حالت پر پہنچ جائیں، وہ اِس صلاحیت سے محروم ہوجاتے ہیں کہ وہ دوبارہ اپنی روش پر نظرثانی کرسکیں۔

کنڈیشننگ کی حالت

یہی وہ حالت ہے جس کا ذکر یہود کے حوالے سے قرآن میں اِن الفاظ میں آیا ہے: وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ (2:88) یعنی وہ کہتے ہیں کہ ہمارے دلوں کے اوپر غلاف ہے۔ نہیں، بلکہ اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت کردی ہے، اِس لیے وہ بہت کم ایمان لاتے ہیں۔

قرآن کی اِس آیت میں 'غُلف' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ عبداللہ بن عباس نے اس کی تشریح اِن الفاظ میں کی ہے: أي قلوبنا ممتلئة علما، لا تحتاج إلى علم محمد ولا غيره (القرطبی 2/25)

یعنی ہمارے دل علم سے بھرے ہوئے ہیں، وہ محمد یا کسی اور کے علم کے محتاج نہیں۔ لعنت کوئی پراسرار چیز نہیں، لعنت سے مراد شدید قسم کی کنڈیشننگ ہے جس کی ڈی کنڈیشننگ عام طور پر ممکن نہیں ہوتی۔ یہاں ''علم'' سے مراد معروف معنوں میں علم نہیں، بلکہ خود ساختہ تصورِ دین ہے۔ یہود کا یہ خود ساختہ دین اپنی حقیقت کے اعتبار سے، علم پر مبنی نہیں تھا، بلکہ وہ امانی (2:78) پر مبنی تھا۔ ٹھیک یہی حال موجودہ زمانے میں مسلم ملت کا ہوا ہے۔ وہ دین کے خود ساختہ ماڈل پر قائم ہیں۔ زمانہ گزرنے کے بعد وہ اپنے اِس خود ساختہ ماڈل پر اتنے پختہ ہو چکے ہیں کہ اب وہ اُس پر نظر ثانی کی ضرورت نہیں سمجھتے۔

پچھلی امتوں کے بارے میں قرآن میں یہ آیت آئی ہے: الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ (30:32) یعنی انھوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر لیا اور وہ بہت سے گروہ ہو گئے۔ ہر گروہ اپنے خود ساختہ طریقے پر نازاں ہے۔

یہی حال موجودہ زمانے کے مسلمانوں کا ہوا ہے۔ وہ خود ساختہ تعبیرات کے مطابق، مختلف گروہوں میں بٹ گئے ہیں۔ یہ تمام گروہ خود ساختہ تصورِ دین پر قائم ہیں۔ لیکن لمبی مدت گزرنے کے بعد اب ہر گروہ کا ذہن اپنے ماڈل کے حق میں اتنا زیادہ پختہ ہو چکا ہے کہ اب وہ اِس کی ضرورت نہیں سمجھتا کہ وہ اُس پر نظر ثانی کرے۔

امت مسلمہ اور اس کے بعد

امتِ مسلمہ کے حال اور مستقبل کو سمجھنے کے لیے قرآن کے سورہ الانبیاء کی اِن آیات کا مطالعہ کیجئے: وَحَرٰمٌ عَلٰي قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ○ حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ (21:95-96) یعنی جس بستی والوں کے لیے ہم نے ہلاکت مقرر کر دی ہے، اُن کے لیے حرام ہے کہ وہ رجوع کریں، یہاں تک کہ جب یاجوج اور ماجوج کھول دئے جائیں گے اور وہ نہایت تیزی کے ساتھ ہر بلندی سے نکل پڑیں گے۔

یہ قرآن کی دو آیتیں ہیں۔ دوسری آیت میں واضح طور پر مستقبل میں پیش آنے والے ایک واقعے کا ذکر ہے، یعنی یاجوج اور ماجوج کا ظہور۔ پہلی آیت میں اگرچہ استقبال کا صیغہ

استعمال نہیں ہوا ہے، لیکن اِس سے مراد بھی مستقبل میں پیش آنے والا واقعہ ہے، یعنی یاجوج اور ماجوج کے ظہور سے فوراً پہلے کا واقعہ۔

اصل یہ ہے کہ پہلی آیت میں قرآن کے مخصوص اسلوب میں، امتِ مسلمہ کے مستقبل کا ذکر ہے۔ اِس آیت میں دفع کا وہی قانون بیان کیا گیا ہے جس کا اوپر ذکر کیا گیا۔ یہاں حرام سے مراد امت کا 'غلف' کی حالت تک پہنچ جانا ہے، یعنی دورِ زوال کی حالت۔ اور اہلاک سے مراد یہ ہے کہ جب امت پر یہ حالت آئے گی تو اُس کو خدائی رول کے لیے رد کر دیا جائے گا۔ یہ فطرت کا ایک عام قانون ہے جو امتِ مسلمہ پر بھی لازماً آئے گا (لتتبعن سنن من کان قبلکم)، لیکن ایک فرق کے ساتھ، وہ یہ کہ امت یہود کو نظری اور عملی دونوں اعتبار سے رد کیا گیا تھا، لیکن امتِ مسلمہ کا رد کیا جانا صرف نظری اعتبار سے ہوگا، اِس کے بعد بھی عملی طور پر موجودہ دنیا میں اُن کی حیثیت باقی رہے گی، کیوں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب کوئی اور نبی آنے والا نہیں جو دونوں اعتبار سے امتِ مسلمہ کے رد کیے جانے کا اعلان کر سکے۔

قرآن کی مذکورہ آیات میں صرف پہلی آیت امتِ مسلمہ کے بعد کے دور کے بارے میں ہے۔ جب کہ قانونِ فطرت کے مطابق، امت اپنے زوال کی آخری حد پر پہنچ چکی ہوگی۔ اِس آیت میں ہلاکت سے مراد معروف ہلاکت نہیں ہے، بلکہ اِس سے مراد وہی چیز ہے جس کو ذہنی جمود (intellectual stagnation) کہا جاتا ہے۔ آیت میں حرام سے مراد بھی معروف حرام نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد جمود کی وہ حالت ہے، جب کہ لوگوں کے اندر بے حسی کا وہ درجہ آجائے جس کو قرآن میں قساوت کہا گیا ہے، یعنی قبولیت (receptivity) کے مادے کا ختم ہو جانا۔

اِس معاملے کی مثال فطرت میں پتھر اور زرخیز زمین (soil) کی صورت میں رکھ دی گئی ہے۔ پتھر پر پانی ڈالا جائے تو پتھر اس کو قبول نہیں کرے گا۔ پانی اس کے اوپر سے بہہ جائے گا۔ اس کے برعکس، زرخیز مٹی میں پانی ڈالا جائے تو وہ اس کو بھرپور طور پر قبول کر لیتی ہے۔ اِسی طرح جب کوئی قوم زندہ ہو تو اس کے اندر قبولیت کی صلاحیت بھرپور طور پر موجود ہوتی ہے۔ اِس کے برعکس، جب قوم میں جمود آجائے تو وہ قبولیت کی صلاحیت سے محروم ہو جاتی ہے۔

کسی امت کی یہ حالت کیوں ہوتی ہے۔ اس کا سبب صرف ایک ہے، اور وہ ہے فرضی یقین (false conviction)۔ دور زوال میں یہ ہوتا ہے کہ امت حقیقتاً بے روح (spiritless) ہو جاتی ہے، لیکن ظاہری طور پر وہ ایک خود ساختہ دین (self-styled version of religion) پر قائم رہتی ہے۔ دھیرے دھیرے وہ اپنے اسی خود ساختہ دین پر اتنی پختہ ہو جاتی ہے کہ اس کے خلاف سوچنا اس کے لئے ناممکن ہو جاتا ہے۔ اس کا حال یہ ہو جاتا ہے کہ حقیقی دین اس کے لیے اجنبی (غریب) بن جاتا ہے، خواہ اس کو کتنا ہی دلائل کے ساتھ پیش کیا گیا ہو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسی امت کے اندر کوئی نیا فکری انقلاب (intellectual revolution) لانا ناممکن ہو جاتا ہے۔ اِس مرحلے پر پہنچ کر وہ تخلیقی فکر (creative thinking) سے محروم ہو جاتی ہے۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کو مذکورہ آیت میں 'أنهم لا يرجعون' کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

اہلِ مغرب کا رول

صحیح البخاری میں ایک روایت اِن الفاظ میں آئی ہے: إن الله ليؤيد هذا الدين بالرجل الفاجر (رقم الحديث: 3062) یعنی اللہ ضرور اِس دین کی تائید فاجر شخص کے ذریعے کرے گا۔

اِس حدیث میں 'فاجر' کا لفظ غیر مومن کے معنی میں آیا ہے۔ آج کل کی زبان میں اس کو سیکولر انسان کہہ سکتے ہیں۔ اِس روایت میں پیشین گوئی کی زبان میں یہ بات کہی گئی ہے کہ اللہ بعد کے زمانے میں ایسے سیکولر لوگوں کو اٹھائے گا جو خدا کے دین کے معاملے میں تائیدی کردار (supporting role) ادا کریں گے۔ تاریخی اعتبار سے غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ یہ تائیدی رول بالفعل عمل میں آچکا ہے۔ اب ضرورت صرف یہ ہے کہ اس کی معرفت حاصل کی جائے اور اس سے فائدہ اٹھایا جائے۔

دو مطلوب رول

اصل یہ ہے کہ دین اسلام کے حاملین سے دو رول مطلوب تھا — ایک رول وہ ہے جس کو قرآن میں حفاظتِ دین (15:9) کہا گیا ہے۔ اور دوسرا وہ ہے جس کے لیے قرآن میں

اظہارِ دین (48:28) کے الفاظ آئے ہیں۔

حفاظتِ دین سے مراد ہے دین کا قلمی یا کتابی تحفظ — قرآن کے اصل متن کا مکتوب حالت میں محفوظ ہوجانا، حدیث کا مدوّن مجموعہ تیار ہوجانا، سیرتِ رسول اور سیرتِ صحابہ کا لکھی ہوئی حالت میں ریکارڈ ہوجانا، اسلام کا وہ دور جس کو قرونِ مشہود لہا بالخیر کہا گیا ہے، اس کو مستند تاریخ کی حیثیت دے دینا، اسلام کی بنیاد پر ایسے ادارے (مسجد، مدرسہ، حج کا نظام، وغیرہ) قائم ہوجانا جن کے ذریعے ابدی طور پر اسلام کو ایک اجتماعی بنیاد حاصل ہوجائے۔ یہ تمام کام ایک لفظ میں، تحفظِ دین کے کام ہیں۔ امتِ مسلمہ نے اپنے ابتدائی تقریباً ہزار سال کے دوران اِس کام کو کامل طور پر اور مستند طور پر انجام دے دیا۔ یہاں تک کہ اب یہ حال ہے کہ اسلام کا مستند ماخذ نہ صرف لائبریریوں میں موجود ہے، بلکہ پورا ذخیرہ انٹرنیٹ پر اِس طرح محفوظ ہوگیا ہے کہ ایک شخص فنگر ٹپ (fingertip) کے استعمال سے ایک لمحے میں اِس پورے ذخیرے تک رسائی حاصل کرسکتا ہے۔

تائید دین کے چار اہم کام

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث اِن الفاظ میں آئی ہے: مثل أمتي مثل المطر، لا يُدرى أوّله خير، أم آخره (سنن الترمذي، رقم الحديث: 2869) یعنی میری امت کی مثال بارش جیسی ہے، نہیں معلوم کہ اس کا اول زیادہ بہتر ہے یا اس کا آخر زیادہ بہتر ہے۔

جیسا کہ معلوم ہے، بارش کا اول اور آخر دونوں اپنے اپنے لحاظ سے بہتر ہوتا ہے۔ اِس حدیث میں امت کے دو دور کا ذکر ہے — ابتدائی دور اور آخری دور، ایک پہلو سے امت کا ابتدائی دور بہتر ہے اور دوسرے پہلو سے اس کا آخری دور بہتر ہے۔

اِس حدیثِ رسول میں دراصل امت کے بارے میں ایک پیشین گوئی کی گئی ہے جو کہ اب واقعہ بن چکی ہے۔ امت کے پہلے دور میں ایک طرف، دین کو محفوظ دین کی حیثیت دی گئی ہے اور دوسری طرف، اِس دور میں ایک ایسا انقلاب برپا ہوا جس نے انسانی تاریخ میں ایک نیا پراسس جاری کردیا۔ اِس تاریخی پراسس کا آغاز امتِ مسلمہ نے کیا تھا، لیکن بعد کے زمانے میں یہ رول مشرق سے مغرب کی طرف

منتقل ہوگیا۔ اِس عمل (process) کے تکمیلی مرحلے میں جو چیزیں مطلوب تھیں، وہ زیادہ تر اہلِ مغرب کے ذریعے انجام پائیں۔ اِس تاریخی عمل کا آغاز ساتویں اور آٹھویں صدی عیسوی میں امت مسلمہ کے ذریعے ہوا۔ اِس کے بعد اہلِ مغرب نے اِس معاملے میں تائیدی رول (supporting role) انجام دیا، جس کی تکمیل انیسویں صدی اور بیسویں صدی میں ہوئی۔

چار پہلو

1۔ اِس معاملے میں اہلِ مغرب کے ذریعے جو کام انجام پایا، اس کے چار خاص پہلو ہیں اور اِن چاروں پہلوؤں کا اشارہ قرآن میں موجود ہے۔ اِن میں سے ایک کام وہ ہے جس کا ذکر بطور پیشین گوئی قرآن کی اِس آیت میں کیا گیا ہے: سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ (41:53) یعنی عنقریب ہم اُن کو آفاق میں اور انفس میں اپنی نشانیاں دکھائیں گے، یہاں تک کہ اُن پر یہ بات کھل جائے گی کہ یہ قرآن حق ہے۔

قرآن کی اِس آیت میں جس پیشین گوئی کا ذکر ہے، اس کا پس منظر یہ ہے کہ اِس دنیا میں معرفت اور ایمانی رزق کے بے شمار آئٹم ہیں، جن کو قرآن میں آیات اور آلاء اللہ اور کلمات اللہ کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ اِس قسم کی چیزوں کا ذکر قرآن اور حدیث میں ابتدائی طور پر موجود ہے، لیکن ان کی تفصیلات کو جاننا سائنٹفک مطالعے پر موقوف تھا جس کو قرآن میں زمین و آسمان پر تفکر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ سائنسی مطالعے کے اِس کام کا آغاز امتِ مسلمہ کے افراد نے کیا تھا، لیکن اس کی تکمیل تمام تر اہلِ مغرب کے ذریعے انجام پائی۔ یہی وہ کام ہے جس کو موجودہ زمانے میں، ماڈرن سائنس (modern science) کہا جاتا ہے۔ ماڈرن سائنس کا نظریاتی حصہ پورا کا پورا قرآن کی اِس آیت کی تفصیل ہے۔ قدیم زمانے میں آیات اللہ کا علم صرف عینی مشاہدے کے ذریعے ممکن ہوتا تھا، اہلِ مغرب نے اس کو وسیع کرکے دوربینی مشاہدہ اور خوردبینی مشاہدے تک پہنچا دیا۔

موجودہ زمانے کی نظریاتی سائنس نے فطرت (nature) کے بارے میں جو حقیقتیں دریافت کی ہیں، اُن کے ذریعے سے پہلی بار یہ ممکن ہوا کہ انسان تخلیق میں خالق کو دریافت کرسکے، وہ

معرفتِ حق کے اُن اعلیٰ درجات تک پہنچ سکے جو قدیم روایتی دور میں انسان کے لیے ممکن نہ تھا۔

2۔ اِس معاملے میں اہلِ مغرب کی دوسری دین یہ ہے کہ انھوں نے شکر خداوندی کے نئے بے شمار آئٹم دریافت کیے۔ انسان سے یہ مطلوب ہے کہ وہ انعامات کو شعوری طور پر جانے اور اُن کے لیے منعم کا اعتراف کرے۔ اِسی اعتراف کا مذہبی نام شکر ہے۔ شکر کی حیثیت دین کے اہم ترین مطلوب کی ہے، لیکن اعلیٰ شکر، انعامات کی اعلیٰ معرفت ہی سے ہوسکتا ہے، اور یہ وہ کام ہے جو تاریخ میں پہلی بار اہلِ مغرب کے ذریعے انجام پایا۔

اِس سلسلے میں قرآن کی ایک متعلق آیت یہ ہے: وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ۭ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ (14: 34) یعنی خدا نے تم کو وہ سب کچھ دے دیا جو تم نے اُس سے مانگا۔ اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گنو تو تم گن نہیں سکتے۔ یقیناً انسان بہت ظالم اور بہت ناشکر گزار ہے۔

خالق نے انسان کو اس کی ضرورت کی تمام چیزیں بطور عطیہ دے دی ہیں۔ یہ عطیات سب کے سب خدائی انعامات ہیں۔ اِن عطیات کی واقفیت سے اللہ کے لیے بے پناہ شکر پیدا ہوتا ہے۔ یہ عطیات یا نعمتیں بے شمار ہیں، مگر قدیم زمانے میں انسان اِن میں سے بہت کم عطیات کو جانتا تھا۔ ایسی حالت میں وہ بڑا شکر نہیں کرسکتا تھا۔ جدید مغربی سائنس نے فطرت میں چھپے ہوئے بے شمار نئے عطیات کو دریافت کیا اور جدید صنعت او رٹکنالوجی کے ذریعے اس کو عام انسان کے لیے قابلِ حصول بنا دیا۔ یہ ایک ایسا واقعہ ہے جو اہلِ مغرب کے ذریعے پہلی بار انجام پایا۔ اِس طرح یہ ممکن ہوگیا کہ انسان اپنے رب کے لیے زیادہ بڑا شکر ادا کرسکے — اہلِ مغرب کا یہ عطیہ بلاشبہہ تائید دین کی ایک اعلیٰ مثال کی حیثیت رکھتا ہے۔

3 ۔ اِس سلسلے میں اہلِ مغرب کی تیسری دین وہ ہے جس کو عالمی مواصلات کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ مطلوب تھا کہ اس نے اپنا پیغام جو پیغمبروں کے ذریعے بھیجا ہے، وہ تمام اہلِ عالم تک پہنچے۔ اِس سلسلے میں قرآن کی ایک آیت یہ ہے: تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰي عَبْدِهٖ

لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْراً (25:1) یعنی بہت بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر قرآن نازل کیا، تاکہ وہ تمام عالم کے لیے آگاہ کرنے والا ہو۔

یہی بات حدیث میں پیشین گوئی کی زبان میں اِس طرح آئی ہے: لا یبقی علی ظهر الأرض بیت مدر و لا وبر إلا أدخله الله کلمة الإسلام (مسند أحمد، رقم الحدیث: 24215) یعنی زمین کی سطح پر کوئی گھر یا خیمہ نہیں بچے گا، مگر اللہ اس میں اسلام کا کلمہ داخل کردے گا۔

اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کو یہ مطلوب تھا کہ اُس نے پیغمبروں کے ذریعے جو ہدایت نامہ بھیجا ہے، وہ دنیا میں بسنے والے تمام انسانوں تک پہنچے۔ مگر قدیم زمانے میں یہ عالمی پیغام رسانی ممکن نہ تھی۔ قدیم زمانے میں دعوت الی اللہ کا کام عملاً صرف مقامی طور پر ہوا، وہ عالمی طور پر انجام نہ پاسکا۔ موجودہ زمانے میں پہلی بار وہ ذرائع اور وسائل وجود میں آئے ہیں جن کو استعمال کرکے کرہ ارض کے ہر چھوٹے اور بڑے گھر میں اللہ کا پیغام پہنچ جائے، زمین پر بسنے والا کوئی بھی انسان اُس سے بے خبر نہ رہے۔

یہ ذرائع اور وسائل خالق نے فطرت (nature) کے اندر بڑے پیمانے پر رکھ دئے تھے، مگر قدیم زمانے میں اِن ذرائع اور وسائل کو دریافت کرنا ممکن نہ ہوسکا۔ اہلِ مغرب نے پہلی بار ان کو دریافت کیا اور ان کو صنعتی مصنوعات (industrial products) کی صورت دے کر داعیوں اور مبلغوں کے لیے قابلِ حصول بنا دیا۔

4۔ قدیم زمانے میں اقوام کی تنظیم (international organisation) کا تصور نہ تھا۔ قدیم زمانے میں صرف سیاسی تنظیم (political organisation) کا تصور تھا، جو کسی بڑی سلطنت کے تحت بذریعہ طاقت قائم ہوتا تھا۔ اِس تصور کے تحت قدیم زمانے میں وہ نظریہ وضع ہوا جس کو جنگ برائے امن (war for peace) کہا جاتا ہے۔ موجودہ زمانے میں پہلی بار یہ واقعہ پیش آیا ہے کہ اقتدار کے باہر اصول کی بنیاد پر قوموں کی تنظیم قائم کی جائے جو بین اقوامی معاملات میں اقتدار کے استعمال کے بغیر پرامن طور پر فیصلہ کن رول ادا کرسکے۔

قدیم زمانے میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ امن صرف سیاسی اقتدار کے ذریعے قائم ہوتا ہے۔

اِس تصور کا نتیجہ یہ تھا کہ قدیم زمانے میں ہزاروں سال تک ساری دنیا میں جنگوں کا سلسلہ جاری رہا۔ یہ طریقہ خدا کے تخلیقی منصوبے کے خلاف تھا۔ خدا کے تخلیقی منصوبے کا تقاضا ہے کہ قوموں کے درمیان پرامن تعلقات ہوں، تاکہ دعوت اور تعلیم جیسا تعمیری کام کسی رکاوٹ کے بغیر جاری رہے۔ اِس لیے اسلام میں یہ مطلوب تھا کہ بین اقوامی امن کو سیاسی اقتدار سے الگ کر دیا جائے۔ بین اقوامی امن کو معاہدات کی بنیاد پر قائم کیا جائے، نہ کہ سیاسی اقتدار کی بنیاد پر۔

پیغمبر اسلام اور آپ کے اصحاب کے زمانے میں جو انقلاب آیا، اُس کا ایک پہلو یہ بھی تھا۔ اُس زمانے میں پہلی بار ایسا ہوا کہ معاہدات کی بنیاد پر بین الاقوامی امن کا قیام عمل میں آیا۔ یہ معاہدہ حدیبیہ تھا جو 628 عیسوی میں تشکیل پایا۔ اِس معاہدہ امن میں براہِ راست طور پر اہلِ مدینہ اور اہلِ مکہ شامل تھے، لیکن بالواسطہ طور پر یہود بھی اس میں شامل تھے جو کہ اُس وقت مدینہ کی آبادی کا تقریباً نصف حصہ تھے۔ تاریخ کا یہ پہلا بین الاقوامی معاہدہ امن تھا جو اِس لیے کیا گیا کہ قومی تعلقات کو جنگ کے بجائے امن کی بنیاد پر قائم کیا جائے۔

معاہدہ حدیبیہ صرف ایک واحد واقعہ نہ تھا، وہ تاریخ میں ایک نئے دورِ امن کا آغاز تھا۔ اس کے بعد تاریخ میں ایک نیا عمل شروع ہوا، جو سفر کرتے ہوئے یورپ تک پہنچا۔ چناں چہ 1920 میں جنیوا (سوئزرلینڈ) میں ایک بین اقوامی ادارہ قائم کیا گیا جس کا نام جمعیتِ اقوام (League of Nations) تھا۔ اِس جمعیت میں کُل 63 قومیں شامل تھیں، البتہ امریکا اس میں شامل نہ تھا۔ یہ تنظیم مستقل ثابت نہ ہوسکی، یہاں تک کہ 1946 میں باقاعدہ طور پر اس کے خاتمے کا اعلان کر دیا گیا۔

اِس کے بعد اِس مقصد کے لیے 1945 میں نئی اور زیادہ بڑی تنظیم قائم ہوئی۔ اس کا نام تنظیم اقوامِ متحدہ (United Nations Organisation) تھا۔ اِس دوسری تنظیم میں 193 ممالک شامل ہیں۔ اس کا صدر دفتر نیویارک (امریکا) میں ہے۔ یہ ایک غیر سیاسی تنظیم ہے۔ وہ امن کے میدان میں زیادہ موثر رول ادا کر رہی ہے۔

یہ واقعہ بھی انھیں واقعات میں سے ہے جس کا ذکر ''تائید دین'' کے طور پر کیا گیا ہے، اِس واقعے کو

دوسرے الفاظ میں، دورِ شمشیر کو ختم کر کے عملاً دورِ امن کو لانا کہا جاسکتا ہے۔ بین اقوامی تعلقات میں یہ تبدیلی عین اسلام کے حق میں ہے۔ یہ واقعہ اُس تاریخی عمل (historical process) کا نقطۂ انتہا ہے جس کا آغاز ساتویں صدی کے ربع اول میں معاہدہ حدیبیہ کے ذریعے کیا گیا تھا۔

قدیم زمانے میں جنگ اور امن کا کوئی متفقہ اصول نہ تھا۔ جو لوگ سیاسی اقتدار پر قابض ہوتے تھے، وہی جنگ اور امن کا فیصلہ کرتے تھے۔ قوموں کے درمیان معاہداتی تنظیم کے مذکورہ طریقے نے اِس صورتِ حال کو ختم کر دیا۔ اب یہ ممکن ہو گیا کہ باہمی مسائل کا فیصلہ بین اقوامی گفت وشنید (international negotiation) کے ذریعے طے کیا جائے اور باہمی اختلافات کے باوجود عالمی امن کو برقرار رکھا جائے۔ اِس طرح یہ ممکن ہو گیا کہ ہر حال میں تعمیری سرگرمیاں کسی رکاوٹ کے بغیر جاری رہیں۔

جو لوگ چیزوں کو معیار کے پیمانہ (ideal yardstick) سے ناپتے ہیں، وہ اِن اداروں پر تنقید کرتے رہتے ہیں۔ پہلے وہ جمعیت اقوام کے ناقد تھے، اب وہ اقوامِ متحدہ کے ناقد بنے ہوئے ہیں، مگر یہ صرف بے دانشی کی بات ہے۔ یہ لوگ معیاری امن (ideal peace) کی باتیں کرتے ہیں، مگر اِس دنیا میں معیاری امن کا حصول سرے سے ممکن ہی نہیں۔

اِس دنیا میں کوئی چیز صرف خدا کے تخلیقی منصوبے کے تحت ہی حاصل کی جاسکتی ہے، اور یہ ایک حقیقت ہے کہ خدا کے تخلیقی منصوبے کے تحت اِس دنیا میں صرف قابلِ عمل امن (workable peace) کا حصول ممکن ہے، اور بلاشبہہ اقوامِ متحدہ نے قابلِ عمل امن کے حصول کو ممکن بنا دیا ہے۔

خدا کے منصوبے کے مطابق، اِس دنیا میں انسان کو کامل آزادی دی گئی ہے۔ اِس آزادی کو منسوخ کرنا کسی کے لیے بھی ممکن نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اِس دنیا میں کوئی چیز معیاری درجے میں نہیں، بلکہ صرف قابلِ عمل (workable) درجے میں حاصل ہوتی ہے، خواہ وہ امن اور عدل ہو یا اور کوئی چیز۔

قرآن کی سورہ الانفال میں رسول اور اصحابِ رسول کو ایک حکم اِن الفاظ میں

دیا گیا تھا: وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ (8:39) یعنی تم اُن سے قتال کرو، یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین سب کا سب، اللہ کے لیے ہو جائے۔

اِس آیت میں جو بات کہی گئی ہے، وہ قرآن کے مخصوص اسلوب میں یہی بات ہے۔ دوسرے الفاظ میں، اِس حکم کا مطلب یہ ہے کہ — اپنی ساری طاقت استعمال کر کے تاریخ میں ایک نیا پراسس جاری کرو جس کے نتیجے میں ایسا ہو کہ دنیا میں جنگ کی حالت نہ رہے اور امن کی حالت قائم ہو جائے۔ قرآن کی یہ آیت ایک دور کو ختم کرنے اور دوسرے دور کا آغاز کرنے کے معنی میں ہے، نہ کہ کسی وقتی کارروائی کے معنی میں۔

استبدالِ قوم کا قانون

قرآن میں ایک خدائی قانون کو اِن الفاظ میں بیان کیا گیا ہے: وَإِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ (47:38) یعنی اگر تم پھر جاؤ تو اللہ تمھاری جگہ دوسری قوم کو لے کر آئے گا، پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔

قرآن کی اِس آیت میں جس استبدال (replacement) کا ذکر ہے، اس کے دو پہلو ہیں۔ ایک پہلو سے اس کا تعلق مسلمانوں سے ہے۔ اگر مسلمانوں کے اندر عمومی طور پر زوال اور فساد آ جائے تو اللہ تعالی کو یہ مطلوب ہوگا کہ یہ صورتِ حال بدلے اور ایسے اہلِ ایمان پیدا ہوں جو صحیح معنوں میں دینِ خداوندی پر قائم ہوں۔

لیکن اِس استبدال کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بگڑی ہوئی امت اگر ایک بلین کی تعداد میں ہے تو اس کی جگہ ایک بلین ہی کی تعداد میں دوسری صالح امت پیدا کر دی جائے۔ یہ استبدال ہمیشہ افراد کے اعتبار سے ہوتا ہے، نہ کہ مجموعی طور پر ایک پوری امت کے اعتبار سے۔

اِس استبدال کا دوسرا پہلو وہ ہے جس کا اوپر ذکر کیا گیا، یعنی اظہارِ دین کے اجزا کو دریافت کرنے میں اگر امتِ مسلمہ ناکام ہو جائے تو اللہ تعالی سیکولر طبقے میں سے ایسے مؤیدین کو اٹھائے گا جو اس کام کو انجام دیں اور معرفت اور شکر اور دعوت کے اعلی درجات تک پہنچنے کو ممکن بنا دیں۔

خلاصہ کلام

انسان کے بارے میں اللہ کا تخلیقی منصوبہ (creation plan) یہ ہے کہ انسان کو آزادی دے کر اس کو یہ موقع دیا جائے کہ وہ خود دریافت کردہ معرفت (self-discovered realisation) پر کھڑا ہو اور کامل اختیار رکھتے ہوئے اللہ کے تخلیقی منصوبے کے تحت زندگی گزارے۔ جو لوگ اِس امتحان میں کامیاب ہوں، وہی وہ لوگ ہیں جو آخرت کی ابدی جنتوں میں داخل کیے جائیں گے۔ اللہ نے نبیوں کو اِسی لیے بھیجا کہ وہ انسان کی آزادی کو برقرار رکھتے ہوئے اس کی رہنمائی کریں۔ اِس رہنمائی کے مختلف مراحل ہیں، جو کہ قرآن وحدیث کے مطالعے سے معلوم ہوتے ہیں۔

حضرت ابراہیم کا زمانہ تقریباً چار ہزار سال پہلے کا زمانہ ہے۔ حضرت ابراہیم کے زمانے تک جو پیغمبر آئے، وہ انفرادی سطح پر انسان کو رہنمائی دیتے رہے۔ حضرت ابراہیم کے بعد ایک نئی منصوبہ بندی کی گئی، یعنی ایک قوم وجود میں لانا اور تاریخ میں ایک انقلابی عمل (revolutionary process) جاری کرنا، جو بالآخر اللہ کے دین کے کامل اظہار تک پہنچ جائے۔

یہ نیا منصوبہ حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل سے شروع ہوا۔ اس کے بعد رسول اور اصحاب رسول کے ذریعے اس کو طاقت ور تحریک (boost) ملی۔ اِس کے بعد امتِ مسلمہ کی حکومتوں کا دور آیا۔ اِس دورِ اقتدار میں خدا کا دین اصولی اور نظریاتی طور پر پوری طرح محفوظ ہو گیا۔ اِسی کے ساتھ تاریخ میں ایک نیا عمل جاری ہوا۔

اِس آخری دور میں اہلِ مغرب نے بالواسطہ طور پر تائید کا رول ادا کیا۔ انھوں نے فطرت کے قوانین کو دریافت کر کے اِس بات کو ممکن بنا دیا کہ خدا کے دین کو انسان کے مسلّمہ علمی معیار پر مدلل کیا جا سکے۔ عطیاتِ الٰہی کے چھپے ہوئے اجزا کو دریافت کر کے انھوں نے اِس بات کو ممکن بنایا کہ انسان اعلیٰ عطیاتِ الٰہی کا تجربہ کرے اور اپنے رب کے لیے اعلیٰ شکر کا رسپانس دے سکے۔ اِس طرح اہلِ مغرب نے یہ کیا کہ انھوں نے فطرت کے اندر چھپے ہوئے امکانات کو دریافت کر کے جدید مواصلات تک دست رس حاصل کی۔ اِس طرح یہ ممکن ہو گیا کہ اللہ کے پیغام کو عالمی سطح پر ہر عورت اور مرد تک پہنچایا جا سکے۔ اِسی طرح اہلِ مغرب نے

انسانی تاریخ کو دورِ سیاست سے نکال کر دورِ تنظیم (age of organization) تک پہنچایا۔ اِس طرح یہ ممکن ہو گیا کہ سیاسی طاقت کے بغیر آزادانہ طور پر تمام دینی تقاضے انجام دئے جاسکیں۔

جہاں تک حفاظتِ دین کا تعلق ہے، اس کو تمام تر امتِ مسلمہ نے انجام دیا۔ اظہارِ دین کے کام کا آغاز بھی امتِ مسلمہ کے ذریعے ہوا، لیکن کامل اظہار کے لیے جو وسائل درکار تھے، وہ قدیم زمانے میں موجود نہ تھے۔ اِس میدان میں بھی امتِ مسلمہ نے ابتدائی کام کیا، لیکن اس کو اتمام تک پہنچانا باقی تھا۔ اظہارِ دین کا یہ تکمیلی مرحلہ اہلِ مغرب کی جدید دریافتوں کے ذریعے انجام پایا۔ تاہم اس معاملے میں اہلِ مغرب کا حصہ تائید باعتبارِ وسائل ہے، تاہم تائید کا یہ واقعہ اتفاقاً پیش نہیں آیا، بلکہ وہ اُس تاریخی عمل (historical process) کا نقطۂ انتہا (culmination) تھا جو امتِ مسلمہ کے ذریعے ساتویں صدی عیسوی میں شروع ہوا تھا۔ (1 دسمبر 2012)

اسپرٹ آف اسلام آن لائن

الرسالہ کا انگریزی ایڈیشن ''اسپرٹ آف اسلام'' کے آن لائن مطالعہ کے لئے ملاحظہ فرمائیں:

www.spiritofIslam.co.in

تلگو ترجمہ قرآن

تلگو زبان میں قرآن کا ترجمہ گڈ ورڈ بکس (نئی دہلی) میں دستیاب ہے۔ اس کو مناسب قیمت پر حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اِس ترجمہ قرآن کو ڈاکٹر عبدالرحیم محمد مولانا نے تیار کیا ہے۔

سہارن پور (یوپی) میں مولانا وحیدالدین خاں کی اردو، ہندی اور انگریزی کتابیں، قرآن مجید کے ترجمے، دعوتی لٹریچر اور ماہ نامہ الرسالہ حسب ذیل پتہ پر دستیاب ہیں:

Dr. M. Aslam Khan (Principal)
National Medical IGNOU Community College
38 Ayodhyapuram Mahipura Dehradun Road, Saharanpur, U.P.
www.nmicc.com, dr_aslm@rediff.com, +919997153735

زحمت میں رحمت

سائنس کی تاریخ کے مشہور واقعات میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ برطانیہ کا نوجوان سائنس داں نیوٹن (وفات: 1727) اپنے باغ میں بیٹھا ہوا تھا۔ اُس وقت سیب کے درخت سے ایک سیب ٹوٹ کر اس کے سر پر گرا۔ اِس چوٹ سے اس کے اندر سوچ کا ایک طوفان آ گیا۔ اِس واقعے کے بعد اس نے زمین کی کشش کا نظریہ دریافت کیا:

It is one of the most famous anecdotes in the history of science. The young Isaac Newton is sitting in his garden when an apple falls on his head and, in a stroke of brilliant insight, he suddenly comes up with his theory of gravity.

کرہ ارض کے اندر کشش (gravitational pull) ایک عظیم نعمت ہے۔ اِس کشش کے بغیر زمین پر انسان کی آبادی اور انسانی تہذیب کا وجود ممکن نہ تھا۔ انسانی زندگی کی تمام سرگرمیاں اِسی زمینی کشش کی وجہ سے ممکن ہوئی ہیں۔ یہ کشش نہ ہو تو زمین کے اوپر ہوا، پانی، سبزہ، انسانی آبادیاں ہر چیز کا خاتمہ ہو جائے۔ اللہ تعالی کو یہ مطلوب تھا کہ انسان اِس حقیقت کو شعوری طور پر جانے اور اِس نعمت پر خالق کا گہرا شکر ادا کرے۔ اللہ نے مختلف فطری نشانیوں کے ذریعے اِس کی طرف انسان کو متوجہ کیا۔ مثلاً اوپر کی فضا سے پانی کا نیچے آنا، وغیرہ۔ مگر انسان اِس پر غور نہ کر سکا، اِس لیے وہ اِس دریافت تک بھی نہیں پہنچا۔

نیوٹن کے سر پر سیب کا گرنا گویا سر پر پتھر مار کر انسان کے ذہن کو بیدار کرنا تھا، تاکہ وہ فطرت کے اِس ظاہرے پر غور کرے اور زمین کی کشش کے قانون کو دریافت کرے۔ گویا یہ زحمت میں رحمت (blessing in disguise) کا معاملہ تھا۔ یہ طریقہ کامیاب ہوا اور انسان اِس عظیم نعمت کو شعوری طور پر دریافت کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ تاریخ میں ایسے بہت سے واقعات ہیں جب کہ عام حالات میں انسان ایک حقیقت کو دریافت نہ کر سکا تھا، پھر اس کے ساتھ وہ تجربہ پیش آیا جس کو شاک ٹریٹمینٹ (shock treatment) کہا جاتا ہے اور پھر اس نے حقیقت کو دریافت کر لیا۔ اصل یہ ہے کہ ہر زحمت میں ایک رحمت ہوتی ہے، آدمی اگر اِس حقیقت کو سمجھے تو وہ کبھی مایوسی کا شکار نہ ہو۔

سیاست، تعمیر

11 مئی 2013 کو پاکستان میں جنرل الیکشن ہوا۔ اس الیکشن میں خاص طور پر دو لیڈروں کے درمیان مقابلہ تھا— مسلم لیگ کے نواز شریف اور انصاف پارٹی کے عمران خان۔ عمران خان نے الیکشن سے پہلے 9 مئی 2013 کو اپنے ایک بیان میں کہا تھا کہ پاکستان میں تبدیلی آنا ضروری ہے اور پاکستان میں تبدیلی لانے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے اور وہ سیاست کا طریقہ ہے:

There should be change in Pakistan and there was no other way to bring change in Pakistan but politics.

الیکشن ہوا تو نواز شریف کو بھاری کامیابی حاصل ہوئی اور عمران خان کو اسمبلی میں بہت کم سیٹ ملی۔ اِس کے بعد عمران خان نے دوسرا بیان (16 مئی 2013) یہ دیا کہ الیکشن میں بہت زیادہ دھاندھلی (rigging) ہوئی ہے اور ان کی پارٹی اس کے خلاف ملک میں بڑے پیمانے پر احتجاجی تحریک چلائے گی:

Imran Khan has given a three day ultimatum to the Election Commission of Pakistan (ECP) to probe rigging in the genereal elections, otherwise his party would lauch protests across the country against the ECP.

بعد کی خبروں سے معلوم ہوا کہ انصاف پارٹی اور جماعت اسلامی نے مل کر پاکستان میں احتجاجی مہم شروع کر دی۔ اُن کا نعرہ یہ تھا کہ الیکشن میں جو پارٹی کامیاب ہوئی ہے، اس کو منتخب پارٹی نہیں کہا جا سکتا، کیوں کہ اس نے یہ کامیابی دھاندلی کے ذریعے حاصل کی ہے۔

یہ طریقہ صرف مسائل میں اضافہ کرنے والا ہے۔ صحیح طریقہ ہے کہ جو پارٹی الیکشن میں کامیاب ہوئی ہے، اس کو مقررہ مدت تک کام کرنے کا موقع دیا جائے اور دوسری پارٹیاں تعلیم اور دعوت جیسے غیر سیاسی میدانوں میں پرامن جدوجہد شروع کر دیں۔ یہی تعمیرِ ملک کا واحد طریقہ ہے۔

نوٹ: مذکورہ موضوع پر مولانا وحید الدین خاں کا تفصیلی خطاب سننے کے لئے ملاحظہ ہو:

(http//:cpsglobal.org/content/politics-and-nation-building-i-may-19_2013)

اسٹریس ایک نعمت

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ اسٹریس (stress) ایک برائی (evil) ہے۔ وہ انسان کی قوتِ کارکردگی کو گھٹا دینے والا ہے، وہ انسان کو ذہنی سکون سے محروم کر دیتا ہے، حتی کہ اسٹریس ایک ایسی برائی ہے جو آدمی کی عمر کو کم کر دینے والی ہے۔ اِس تصور کے تحت ساری دنیا میں ایک نئی انڈسٹری کھل گئی ہے۔ اِس کو ڈی اسٹریسنگ (de-stressing) کہا جاتا ہے۔

مگر حال میں امریکا میں اِس موضوع پر ایک ریسرچ ہوئی ہے۔ اِس سے ثابت ہوا ہے کہ اسٹریس کوئی برائی نہیں ہے، بلکہ اسٹریس کسی انسان کے لیے ذہنی ارتقا کا ذریعہ ہے:

Stress primes the brain for improved performance and optimal alertness.

دنیا میں مختلف قسم کے مسائل ہیں۔ یہی مسائل انسان کے لیے اسٹریس یا ٹنشن کا ذریعہ بنتے ہیں۔ فلاسفہ نے اِن مسائل کو لے کر ایک نظریہ بنایا جس کو وہ پرابلم آف اِول (problem of evil) کہتے ہیں۔ ان کے نزدیک، یہ مسائل (problems) اِس بات کا ثبوت ہیں کہ اِس دنیا کا کوئی خالق نہیں، اگر اِس دنیا کا کوئی خالق ہوتا تو وہ دنیا کو پرفکٹ انداز میں بناتا اور پھر ہم کو رہنے کے لیے ایک پرابلم فری دنیا مل جاتی۔ مگر تحقیقات نے بتایا کہ دنیا میں مسائل کا ہونا ایک نعمت ہے، کیوں کہ یہی مسائل ذہنی ارتقا کا ذریعہ بنتے ہیں، یہی مسائل دماغ کے اندر چھپی ہوئی صلاحیتوں کو انفولڈ کرتے ہیں۔

Being overworked and stressed may have a positive side, say scientists who found short-lived stress primes the brain for improved performance and optimal alertness. Researchers from University of California, Berkeley uncovered exactly how acute stress, short-lived, not chronic, primes the brain for improved performance. "You always think about stress as a really bad thing, but it's not. Some amounts of stress are good to push you just to the level of optimal alertness, behavioural and cognitive performance", said Daniela Kaufer, associate professor of integrative biology at the UC Berkeley. (*The Times of India*, New Delhi, April 18, 2013, p. 19)

سوال وجواب

سوال

عرض ہے کہ آپ نے ماہ نامہ الرسالہ مارچ 2013 کے شمارے کے ٹائٹل پر ایک عبارت تحریر فرمائی ہے، جو اس طرح ہے: ''چھوٹوں کو عزت دینا اخلاص کی پہچان ہے اور بڑوں کو عزت دینا منافقت کی پہچان''۔ میں اِس عبارت کو سمجھنے سے قاصر ہوں۔ آپ نے بڑوں کو عزت دینے کو منافقت سے تعبیر کیا ہے، جب کہ احادیث سے ثابت ہے کہ بڑوں کو عزت دینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے۔ ازراہِ کرم، اِس عبارت کی وضاحت فرمائیں۔ (فیصل احمد، کشمیر)

جواب

الرسالہ کے ٹائٹل پر چھپنے والا یہ قول موجودہ زمانے کی نسبت سے ہے۔ اِس عبارت کو اگر آپ اِس اضافے کے ساتھ پڑھیں کہ موجودہ زمانے میں یہ ایک عام بات ہے کہ لوگ چھوٹے (کم حیثیت کے) لوگوں کو عزت نہیں دیتے اور وہ بڑوں (زیادہ حیثیت والوں) کو عزت دیتے ہیں، تو اِس قول کا مطلب بالکل واضح ہوجائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی اخلاقیات کے مطابق، چھوٹوں کو عزت دینا اخلاص کی پہچان ہے اور بڑوں کو عزت دینا منافقت کی پہچان۔

الرسالہ کے اِس قول میں ''چھوٹوں'' سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو معمولی درجے سے تعلق رکھنے والا سمجھا جاتا ہے اور ''بڑوں'' سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو اعلیٰ درجے سے تعلق رکھنے والا سمجھا جاتا ہے۔ مذکورہ حدیث (لیس منا من لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا) سے الرسالہ کے اِس قول کا کوئی تعلق نہیں۔ مذکورہ حدیثِ رسول دوسرے سیاق میں آئی ہے اور الرسالہ کا یہ قول دوسرے سیاق میں۔ دونوں کا سیاق (context) بالکل الگ الگ ہے۔

سوال

میں تفسیر احسن البیان (حافظ صلاح الدین یوسف) پڑھ رہا تھا۔ سورہ النساء کی آیت 86 کی تفسیر میں مفسر لکھتے ہیں کہ: ''یاد رہے کہ یہ حکم مسلمانوں کے لیے ہے، یعنی ایک مسلمان جب دوسرے مسلمان کو سلام کرے۔

لیکن اہلِ ذمّہ یعنی یہود و نصاریٰ کو سلام کرنا ہو تو ایک تو اُن کو سلام کرنے میں پہل نہ کی جائے۔ دوسرے، اضافہ نہ کیا جائے بلکہ "وعلیکم" کے ساتھ جواب دیا جائے" (بخاری و مسلم)۔ براہِ کرم، رہنمائی فرمائیں کہ کیا اس کا اطلاق آج ہمارے پڑوسی مذہب کے ہندو بھائیوں پر بھی ہوگا۔ (غلام صابر، غازی پور، یوپی)

جواب

مذکورہ تفسیر میں جو مسئلہ بیان کیا گیا ہے، وہ مسئلہ درست نہیں، کیوں کہ اس میں بخاری کی مذکورہ روایت کو مطلق معنی میں لے لیا گیا ہے۔ اِس سلسلہ کی دوسری روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مطلق معنی میں نہیں ہے، بلکہ وہ فقہا کی اصطلاح میں، "بیان جواز" کے معنی میں ہے۔

قرآن اور حدیث سے یہ ثابت ہے کہ اہلِ ایمان کو ہمیشہ زیادہ بہتر انداز میں جواب دینا چاہیے۔ اِس معاملے میں یہود یا کسی دوسرے کا کوئی استثنا نہیں ہے۔ اعلیٰ اخلاق (68:4) ایک عظیم سنتِ رسول ہے۔ وہ ہر حال میں اہلِ ایمان سے مطلوب ہے۔ اِس کے علاوہ، غیر مسلموں کے سلسلہ میں ایک خصوصی اصول وہ ہے جس کو قرآن میں تالیف قلب (9:60) کہا گیا ہے۔ تالیفِ قلب کے اصول کا تقاضا ہے کہ اہلِ ایمان اُس طرزِ سلوک کو اختیار کریں جس کا حکم قرآن میں اِن الفاظ میں دیا گیا ہے: وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۚ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ (41:34) یعنی بھلائی اور برائی دونوں برابر نہیں، تم جواب میں وہ کہو جو اس سے بہتر ہو، پھر تم دیکھو گے کہ تم میں اور جس میں دشمنی تھی، وہ ایسا ہو گیا جیسے کوئی دوست قرابت والا۔

صحیح البخاری کی مذکورہ روایت کی تشریح کے تحت صاحبِ فتح الباری نے لکھا ہے: وذهب جماعة من السلف إلى أنه يجوز أن يقال في الرد عليهم "عليكم السلام" كما يرد على المسلم- واحتج بعضهم بقوله تعالى: فاصفح عنهم وقل سلام (43:89) یعنی علماء سلف کی ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ — یہ جائز ہے کہ غیر مسلموں کے سلام کے جواب میں اُسی طرح وعلیکم السلام کہا جائے جس طرح ایک مسلم کے جواب میں وعلیکم السلام کہا جاتا ہے۔ اُن میں سے بعض نے اِس کی دلیل یہ دی ہے کہ خود قرآن میں کہا گیا ہے: "پس اُن سے درگزر کرو اور کہو کہ سلام ہے تم کو"۔ (47/11)

سلام جیسے معاملے میں مذکورہ قسم کی بحث اُس وقت پیدا ہوتی ہے، جب کہ اُس کو خالص فقہی اور قانونی نظریے سے دیکھا جائے۔ اس کے برعکس، اگر اِس معاملے کو دعوتی اخلاقیات کی نظر سے دیکھا جائے تو وہ تالیفِ قلب کا مسئلہ بن جائے گا اور کہا جائے گا کہ اِس معاملے میں مسلم اور غیر مسلم کی تمیز مت کرو، بلکہ ہر ایک کو یکساں طور پر مدعو کی نظر سے دیکھو، حتی کہ اگر بالفرض فریقِ ثانی نے "السام علیکم" کہا ہے، تب بھی صفحِ جمیل (15:85) کا طریقہ اختیار کرتے ہوئے تم کو اس کے جواب میں السلام علیکم کہنا چاہئے، تاکہ وہ مثبت نتیجہ ظہور میں آئے جس کو قرآن میں اِن الفاظ میں بیان کیا گیا ہے: فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ (41:34)۔

آپ نے لکھا ہے کہ — کیا اِس کا اطلاق آج ہمارے پڑوسی مذہب کے ہندو بھائیوں پر بھی ہوگا۔ جواب یہ ہے کہ یقیناً ہوگا۔ جو مثبت روش آپ کو دوسرے اہلِ کتاب کے بارے میں اختیار کرنا ہے، وہی مثبت روش آپ کو ہندو مذہب کے لوگوں کے بارے میں بھی اختیار کرنا ہے۔ بعض علما نے ہندوؤں کو 'شبہہِ اہلِ کتاب' لکھا ہے۔ میں اِس کو توسیعی معنی میں لیتے ہوئے یہ کہوں گا کہ تمام دنیا کے لوگ یا تو اہلِ کتاب ہیں، یا شبہِ اہلِ کتاب، کیوں کہ قرآن میں صراحت کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ: وَإِنْ مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ (35:24) یعنی دنیا کی کوئی بھی قوم ایسی نہیں جس میں اللہ کی طرف سے کوئی ڈرانے والا نہ آیا ہو۔

پٹنہ (بہار) کے سنٹر فار پیس کے آفس میں ہر ماہ کے دوسرے اتوار کی صبح 10.30 بجے ممبران کی میٹنگ ہوتی ہے۔ پتہ حسب ذیل ہے:

A. H. M. Danyal
(President, Centre for Peace)
Mahatwana, Phulwarisharif, Patna-601505, Bihar
Mob. 09308477841, 09852208744

صدر اسلامی مرکز کے آڈیو لکچرز سننے کے لئے حسب ذیل لنک ملاحظہ فرمائیں:

http//:www.alquranmission.org/DailyLectures.aspx

1- سہارن پور (یوپی) میں 20 مارچ 2013 کو ایک احتجاجی جلوس کو روکنے کے لیے مقامی پولس انتظامیہ کے لوگ تعینات تھے۔ اِس موقع پر سہارن پور ٹیم کے ممبران نے انتظامیہ کے لوگوں سے مل کر اُن کو دعوتی لٹریچر دیا۔

2- مقامی انتظامیہ اور نئی دہلی کے اسکارٹ ہارٹ انسٹی ٹیوٹ کے ماہرین کی ٹیم کے ساتھ مل کر نیشنل میڈیکل کالج کی ٹیم نے 23 مارچ 2013 کو سہارن پور شہر میں طبی معائنے کا ایک کیمپ لگایا۔ اِس موقع پر ٹیم کی طرف سے تمام ڈاکٹروں، وغیرہ کو قرآن کا ترجمہ اور دیگر دعوتی لٹریچر دیا گیا۔

3- ہوٹل رائل ریزی ڈینسی (سہارن پور) میں 24 مارچ 2013 کو ایک پروگرام ہوا۔ اِس موقع پر ہمارے ساتھیوں نے اِس میں شرکت کی اور حاضرین کو خاص طور پر، چیف جسٹس آئی ایم قدوسی کو دعوتی لٹریچر دیا۔

4- پیس ہال (سہارن پور) میں 28 مارچ 2013 کو ایک دعوتی پروگرام ہوا۔ اِس موقع پر، دوسرے لوگوں کے علاوہ، جسٹس قدوسی، ڈاکٹر وید پرکاش تیاگی (چیرمین سی سی آئی ایم)، ڈاکٹر انور سعیدی اور مسٹر کرن سنگھ شریک تھے۔ پروگرام کے خاتمے پر تمام حاضرین کو دعوتی لٹریچر دیا گیا۔

5- رڑکی (اتراکھنڈ) اور سہارن پور میں مارچ اور اپریل 2013 کے دوران شادی کی کئی تقریبات ہوئیں، ہمارے ساتھیوں نے یہاں شرکت کے دوران حاضرین کو قرآن کا ترجمہ اور دعوتی لٹریچر دیا۔

6- نیشنل میڈیکل کالج (سہارن پور) میں 7 اپریل 2013 کو ڈاکٹر ہینی مینس ڈے کے موقع پر ایک بڑا پروگرام ہوا۔ اِس میں دوسرے لوگوں کے علاوہ، ڈاکٹر سی بی ترپاٹھی (اے ڈی ایم ای)، ڈاکٹر آر پی شرما (سی ایم ایس) اور ڈاکٹر شلبھ جین جیسے لوگوں نے شرکت کی۔ یہاں تمام حاضرین کو قرآن کا ترجمہ اور دعوتی لٹریچر دیا گیا۔

7- برطانیہ (Earls Court) میں 12 اپریل سے یکم مئی 2013 کے دوران لندن بک فیر ہوا۔ اِس میں دنیا بھر کے پرنٹرس اور پبلشرز نے شرکت کی۔ یہاں گڈ ورڈ بکس (نئی دہلی) نے بھی اپنا اسٹال لگایا۔ اسٹال کا انتظام سی پی ایس دعوہ فیلڈ ٹیم (DFT) کے ہیڈ مسٹر خرم قریشی (پائلٹ) نے سنبھالا۔ یہاں سے بڑی تعداد میں زائرین نے قرآن کے انگریزی ترجمے حاصل کیے۔ مسٹر خرم قریشی نے لندن کے اِس سفر کو دعوتی مقصد کے لیے بھرپور استعمال کیا۔ اِس سفر کے دوران انھوں نے لندن کی مختلف مساجد، اداروں اور سنٹرس کا دورہ کیا۔ مثلاً لندن سنٹرل ماسک، ایسٹ لندن ماسک، مسلم کاؤنسل آف برٹین، اسلامک فاؤنڈیشن، برمنگھم سنٹرل ماسک اور گلاسکو اسلامک سنٹر، وغیرہ۔ اِن اداروں کے ذمے داروں نے سی پی ایس (نئی دہلی) کے دعوتی کام کو بہت پسند کیا۔ انھوں نے ہمارے یہاں سے بڑے پیمانے پر قرآن کا انگریزی ترجمہ اور دعوتی لٹریچر حاصل کیا ہے، تاکہ وہ اس کو غیر مسلموں تک پہنچا سکیں۔ اِس سفر کے دوران لندن اور اطراف کے قارئین الرسالہ کے ساتھ میٹنگ بھی ہوئی اور وہاں دعوتی کام کو منظم کیا گیا۔ اِس سفر کو زیادہ سے زیادہ بہتر بنانے میں جن حضرات نے تعاون کیا، ہم ان کے بے حد شکر گزار ہیں۔ غیر مقامی ساتھیوں میں سے خاص طور پر

خواجہ کلیم الدین (امریکا)، حکیم انور عباس (دہلی)، وغیرہ۔ اسی طرح مقامی ساتھیوں میں سے مزحنا، مسٹر ثاقب، ڈاکٹر پرویز، ڈاکٹر ظہور، مسٹر شاہ نواز، چودھری سرور، مسٹر طارق ملا، مسٹر نجم الحسن، وغیرہ۔

8۔ دوسرے مقامات کی طرح کلکتہ میں ہمارے ساتھی دعوہ ورک کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں 14 اپریل 2013 کو گرودوارہ (ایم جی روڈ) میں ایک انٹر فیتھ میٹ (Interfaith Meet) ہوئی۔ اِس پروگرام کا موضوع تھا— عالمی اخوت (Universal Brotherhood)۔ اِس کی دعوت پر پیس اینڈ اسپریچول فورم (کلکتہ) ٹیم کے ساتھیوں نے اس میں شرکت کی اور ٹیم کے سربراہ مولانا محمد شفیق قاسمی (امام مسجد ناخدا) نے موضوع پر ایک تقریر کی۔ اِس موقع پر اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ موجود تھے۔ مثلاً آرک بشپ مسٹر تھامس، کلکتہ پولس کمشنر مسٹر سرنجیت، ڈپٹی پولیس کمشنر مسٹر ڈی پی سنگھ وغیرہ۔ یہاں تمام حاضرین کو دعوتی لٹریچر دیا گیا۔ لوگوں نے اس کو بے حد شوق سے قبول کیا۔

9۔ ہالینڈ یونی ورسٹی کی ریسرچ اسکالر مزبیٹ ڈام (Bett Dam) اسلام اور طالبان کے موضوع پر ریسرچ کر رہی ہیں۔ اِس سلسلے میں آج کل وہ افغانستان میں مقیم ہیں۔ 16 اپریل 2013 کو انھوں نے صدر اسلامی مرکز سے اِس موضوع پر انگریزی زبان میں ایک تفصیلی انٹرویو لیا۔ مزبیٹ ڈام کو پرافٹ آف پیس اور قرآن کا انگریزی ترجمہ دیا گیا۔

10۔ انڈیا اور انڈیا کے باہر مختلف مقامات پر ہمارے ساتھی دعوتی کام کر رہے ہیں۔ مثلاً ہمارے ایک ساتھی مولانا عبد الباسط عمری دوحہ (قطر) میں مقیم غیر مسلموں کے درمیان خاص طور پر دعوتی کام کرتے ہیں۔ اِس سلسلے میں انھوں نے 18 اپریل 2013 کو اللولو ہائپر مارکیٹ (دوحہ) کے اسٹاف کو قرآن کا انگریزی ترجمہ بطور گفٹ پیش کیا۔ اِسی طرح 20 اپریل 2013 کو انھوں نے وہاں کے مشہور شاپنگ سنٹر (الخور مال) میں لوگوں کو قرآن کا انگریزی ترجمہ اور دعوتی پمفلٹس دیے۔ اس کو لوگوں نے خوشی اور شکریے کے ساتھ قبول کیا۔

11۔ نئی دہلی کے دور درشن (DDN) چینل پر 19 اپریل 2013 کو صدر اسلامی مرکز کا ایک تفصیلی انٹرویو ریکارڈ کیا گیا ہے۔ انٹرویو کا موضوع تھا— صدر اسلامی مرکز کی لائف اور ان کا مشن۔ ایک سوال کے جواب میں کہا گیا کہ مسلمانوں کے پچھڑے پن کا سبب ہے جدید تعلیم میں ان کا آگے نہ بڑھنا۔ اِسی طرح آخری نصیحت کے طور پر صدر اسلامی مرکز نے کہا کہ دیش کے نوجوانوں کے لیے میری آخری نصیحت صرف ایک ہے اور وہ ہے— ایجوکیشن۔ ملک کے نوجوانوں کو چاہئے کہ وہ ہر چیز کو سکنڈری بنا کر ایجوکیشن میں آگے بڑھیں۔

12۔ یکم مئی 2013 کو آن لائن جریدہ ''خبر ساؤتھ ایسٹ ایشیا'' کے نمائندہ مسٹر الطاف احمد نے صدر اسلامی مرکز کا ایک انٹرویو ریکارڈ کیا۔ یہ انٹرویو اِس ویب سائٹ پر دیکھا جا سکتا ہے:

http//:khabarsouthasia.com/en_GB/articles/apwi/articles/features/2013/05/01/feature-01

13۔ مولانا آزاد انجینیر نگ کالج (پٹنہ، بہار) میں 6-4 مئی 2013 کے درمیان ایک سالانہ پروگرام ہوا۔ اِس میں ہمارے ساتھی مسٹر دانیال اور ان کے دوسرے رفقا کے تعاون سے کالج میں ایک بک اسٹال لگایا گیا۔ اِس موقع پر انٹریکشن کے دوران لوگوں کو اسلام کا تعارف پیش کیا گیا اور یہاں کالج کے اسٹوڈنٹس اور پروفیسرز کو دعوتی لٹریچر دیا گیا۔

14- طرابلس (لیبیا) سے چار اعلی تعلیم یافتہ افراد — ڈاکٹر عمر علی احمد، احمد مصطفی المفتی، جمال السیفاو القبلی، محمد طارق بن الشارف الساسی — 24 مارچ 2013 کو دہلی آئے- وہ صدرا سلامی مرکز سے مل کر اُن کے دعوتی مشن کو مزید سمجھنا چاہتے تھے- انھوں نے یہ سفر صرف اِسی مقصد کے لیے کیا تھا- یہ لوگ 1980 سے الرسالہ مشن سے وابستہ ہیں اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر عرب نوجوانوں خاص طور پر عرب مسیحیوں کے درمیان دعوتی کام کر رہے ہیں- انھوں نے صدرا سلامی مرکز کی کئی کتابوں کے عربی ایڈیشن شائع کیے ہیں- اِنھیں میں سے ایک کتاب وہ ہے جو جمعیۃ الرسالہ (طرابلس) کے صدر شیخ محمد سلیمان القائد نے مرتب کی تھی- اس کا نام یہ ہے: منهج الهداية (صفحات: 175)- اِس کتاب کو گڈورڈ بکس سے حاصل کیا جاسکتا ہے- یہ کتاب دعوت الی اللہ کے موضوع پر ہے- اِس میں صدرا سلامی مرکز کے دعوتی افکار کا خلاصہ قرآن وسنت کے دلائل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے- اِس موقع پر 30 مارچ 2013 کو نئی دہلی کے انڈیا انٹرنیشنل سنٹر میں ڈنر کا ایک پروگرام ہوا- یہاں سی پی ایس کے ممبران کے علاوہ، لیبیا سے آئے ہوئے افراد نے بھی اپنے تاثرات بیان کیے- مثلاً ان کے نمائندہ مسٹر طارق الشارف بن الساسی نے کہا کہ — اگرچہ ہم عرب تھے، مگر ہم نے اسلام کی حقیقت کو الرسالہ مطبوعات کے ذریعے ری ڈسکور کیا- ہم نے اِسی لٹریچر کے ذریعہ دعوت اور معرفت کو اپنا نشانہ بنایا- حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ لٹریچر ہم کو نہ ملا ہوتا تو ہم اب تک ہلاک ہو چکے ہوتے- اِس موقع پر مولانا محمد ذکوان ندوی نے عربی زبان میں اپنے تاثرات بیان کیے- لیبیا کے یہ افراد 2 اپریل 2013 کو دہلی سے لیبیا کے لیے روانہ ہوئے- اِس درمیان وہ شہر میں اپنے قیام کے دوران مسلسل طور پر سی پی ایس کے ممبران اور صدرا سلامی مرکز کے ساتھ میٹنگ اور انٹریکشن کرتے رہے- انھوں نے لیبیا اور اطراف میں منظم طور پر دعوت الی اللہ کا کام کرنے کے لیے طرابلس میں ایک ادارہ (جمعية الرسالة للتعريف بالإسلام) قائم کیا ہے- یہاں صدرا سلامی مرکز کی تمام مطبوعات دستیاب ہیں-

15- نئی دہلی کے سہ ماہی میگزین (*God Bless Our Home*) کے نمائندہ نے 8 مئی 2013 کو صدر اسلامی مرکز کا ایک تفصیلی انٹرویو ریکارڈ کیا- انٹرویو کا موضوع خدا اور اسپر پچولٹی جیسے موضوعات تھے- یہ انٹرویو انگریزی زبان میں تھا- یہ انٹرویو میگزین کے ویب سائٹ (www.godblessourhome.in) پر موجود ہے-

16- ٹائمس آف انڈیا (نئی دہلی) میں اسپیکنگ ٹری (The Speaking Tree) کے تحت صدرا سلامی مرکز کے مضامین مسلسل طور پر شائع ہو رہے ہیں- یہ تمام مضامین حسب ذیل ویب سائٹ پر موجود ہیں:

http//:cpsglobal.org/articles/speakingtree

17- انگریزی ترجمہ قرآن اور الرسالہ مشن سے متعلق چند تاثرات یہاں درج کیے جاتے ہیں:

- Respected Maulana, I want to say that I was very confused before adopting your views, your real Islamic thought. Alhamdulillah, today I dont have any confusion. Some years ago, when I was in Nadwa, that time my mind was very suspicious towards everything even Islam, but now I am fully satisfied, there is no confusion. I respect all

human beings by Allah's grace, I am doing dawah work here in Jeddah as much as I can. I m very thankful to you. (Malik Anas Nadwi, KSA)

- I was reading Al-Risala of May 2013. I felt a lot of love and respect for the Maulana. He always connects me with my Lord. His writings almost always bring tears to my eyes. We can't afford losing him, may Allah add my days to his life. (Riyaz Ahmad, Kashmir)
- I am very happy to share with you the good news that the Government of Pakistan has included an article of Maulana Wahiduddin Khan in the Textbook of English (Compulsory). The textbook is for class 10 (matric students). The title of this article is: "The sublime character of Prophet Muhammad" covering the first 13 pages with a short note of Maulana's biography. The article is taken from Maulana's book "The Prophet of Revolution." (Salman, Pakistan)
- We saw Maulana on Al-Maurid web tv (www.almawrid.org) and are touched by his clarity of thinking and the manner of discourse pertaining to spiritual matters. (Dr Ataulla Butt, USA)
- I have read about 35pages of the book *Moral Vision* by Maulana Wahiduddin Khan. It is during these times of trail and struggle when words of encouragement and kindness from fellow beings show the true meaning of humanity. I also read his articles in the Speaking Tree. Please do convey my regards and gratefulness to the Maulana. I believe he writes for the betterment of our society, and in giving directions and hope to individuals like me, he has actually touched many hearts and changed many minds. (Bhagya Nair, Delhi University)

18- سی پی ایس کے ممبر ثانی اثنین خاں کو 1 مئی 2013 کو اُن کی کتاب 'دی اسٹوری آف خدیجہ' (*The Story of Khadija*) کے لیے شارجہ چلڈرنس بک ایوارڈ (Sharjah Children's Book Award) سے نوازا گیا۔ یہ ایوارڈ 15,000 اماراتی درہم کے نقد انعام پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب 'دی اسٹوری آف خدیجہ' پیغمبر اسلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیہ کی زندگی پر مبنی ہے۔ اس کتاب کو گڈ ورڈ بکس (نئی دہلی) نے خصوصی طور پر شائع کیا ہے۔ اس کتاب کا ترجمہ فرنچ، جرمن، ترکی، ملائے اور عربی زبان میں ہو چکا ہے۔

الرسالہ اور مطبوعات الرسالہ کے آن لائن مطالعے کے لیے ملاحظہ فرمائیں:

www.alrisala.org

www.cpsglobal.org

ایجنسی الرسالہ

الرسالہ بیک وقت اردو اور انگریزی میں شائع ہوتا ہے۔ الرسالہ (اردو) کا مقصد مسلمانوں کی اصلاح اور ذہنی تعمیر ہے۔ الرسالہ (انگریزی) کا خاص مقصد یہ ہے کہ اسلام کی بے آمیز دعوت کو عام انسانوں تک پہنچایا جائے۔ الرسالہ کے تعمیری اور دعوتی مشن کا تقاضا ہے کہ آپ نہ صرف اس کو خود پڑھیں بلکہ اس کی ایجنسی لے کر اس کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں دوسروں تک پہنچائیں۔ ایجنسی گویا الرسالہ کے متوقع قارئین تک اس کو مسلسل پہنچانے کا ایک بہترین درمیانی وسیلہ ہے۔ الرسالہ (اردو) کی ایجنسی لینا ملّت کی ذہنی تعمیر میں حصہ لینا ہے جو آج ملت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ اسی طرح الرسالہ (انگریزی) کی ایجنسی لینا اسلام کی عمومی دعوت کی مہم میں اپنے آپ کو شریک کرنا ہے جو کارِ نبوت ہے اور ملت کے اوپر سب سے بڑا فریضہ ہے۔

ایجنسی کی صورتیں

1- الرسالہ کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے کمیشن 33 فی صد ہے۔ 50 پرچوں سے زیادہ تعداد پر کمیشن 40 فی صد ہے۔ پیکنگ اور روانگی کے تمام اخراجات ادارہ الرسالہ کے ذمہ ہوتے ہیں۔ 2- زیادہ تعداد والی ایجنسیوں کو ہر ماہ پرچے بذریعہ وی پی روانہ کئے جاتے ہیں۔ 3- کم تعداد والی ایجنسی کے لئے ادائیگی کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ پرچے ہر ماہ سادہ ڈاک سے بھیجے جائیں، اور صاحب ایجنسی ہر ماہ یا دو تین ماہ بعد اس کی رقم بذریعہ منی آرڈر روانہ کردے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ چند ماہ (مثلاً تین مہینے) تک پرچے سادہ ڈاک سے بھیجے جائیں اور اس کے بعد والے مہینے میں تمام پرچوں کی مجموعی رقم کی وی پی روانہ کی جائے۔

زرتعاون الرسالہ

ہندستان کے لئے		بیرونی ممالک کے لئے (ہوائی ڈاک)
ایک سال	Rs. 150	$20
دو سال	Rs. 300	$40
تین سال	Rs. 450	$60

Rahnuma-e-Zindagi
by
Maulana Wahiduddin Khan
ETV Urdu
Tuesday and Thursday 5.00 am

ISLAM FOR KIDS
by
Saniyasnain Khan
ETV Urdu
Every Sunday 9.00 am

Date of Posting 10th and 11th of advance month
Published on the 1st of every month
Postal Regn. No. DL(S)-01/3130/2012-14
RNI 28822/76
Licenced to Post without Prepayment U (SE) 12/2012-14

Bringing you a splendid range of Islamic books and children's products

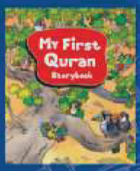

Here for young readers and listeners, are all the best treasured stories of the Quran in one beautifully illustrated volume. The stirring and dramatic stories of the great prophets, peoples and nations are unfolded as a family saga, one event leading naturally to the next.

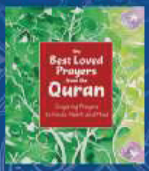

This selection of prayers for children of seven years and above expresses the variety and richness of prayer and is designed to be used at home, or at school. With bright and colourful illustrations, this book will encourage children to explore their own ways of praying.

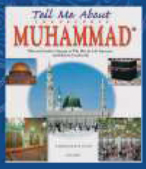

The book presents the life of the Prophet Muhammad, upon whom be peace, from his childhood in the desert to his divine mission and early preaching in Makkah.

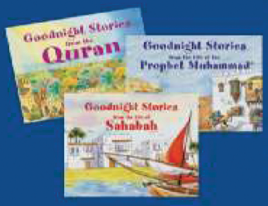

The answers to every child's longing to hear a good bedtime story.

- A simple text
- Fabulous colour illustrations

The book offers a special dimension to these wonderful goodnight stories.

Professor Abdur Rahim's eight-volume series of textbooks enable the student to acquire a knowledge of Arabic in the classical structural form. All the books teach essential language skills through applied grammar.

New Releases...

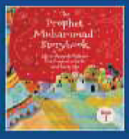

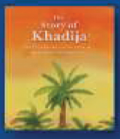

www.goodwordbooks.com

AL-RISALA (URDU) MONTHLY
1, Nizamuddin West Market,
New Delhi - 110 013